
لہو کا سُراغ
محمود احمد مُودی

میں اور آپ

اگر آپ مجھے پڑھتے رہے ہیں تو شاید آپ کو معلوم ہو کہ میں نے ہر موضوع پر لکھا ہے۔ رومان، محبت، معاشرت، سُراغرسی، جُرم و سزا، طنز و مزاح، مافوق الفطرت، پُراسرار، ہر طرح کے موضوعات پر میں نے طبع آزمائی کی ہے۔ کالم، فیچرز اور مضامین بھی لکھے ہیں۔ رپورٹنگ بھی کی ہے۔ مختلف اخبارات اور رسائل میں ملازمتیں بھی کی ہیں۔ تراجم بھی کیے ہیں جن کی تعداد شاید اب ہزاروں میں جا پہنچی ہو — غرضیکہ لکھنا پڑھنا ہی میرا اوڑھنا بچھونا ہے۔ یہی میرا مشغلہ ہے اور یہی میرا پیشہ۔ ابتداء میں یہ میرا مشغلہ تھا۔ پھر رفتہ رفتہ پیشہ بن گیا۔ گو کہ اسے پیشہ کہتے ہوئے نہ جانے کیوں آج بھی کچھ شرم سی آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ کوئی غیر معززانہ کام ہے۔ یہ تو سب سے زیادہ معززانہ کام ہے۔

اصل میں پیشے میں تو بڑی بڑی ناگواری، بدذوقی، سفّاکی اور سطحیت بھی آجاتی ہے۔ جبکہ یہ بڑا نازک، نفیس، شاعرانہ سا اور گہرائی و گیرائی رکھنے والا کام ہے۔ میں بتانا اصل میں یہ چاہ رہا تھا کہ تحریر کے میدان میں اتنا طویل سفر طے کرنے کے باوجود جب کبھی میری کوئی بھی کتاب مرتب کرنے کی بات چلی تو کبھی میں نے کوئی خاص دلچسپی نہ لی اور کبھی کسی اور وجہ سے بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ برسوں سے یہی ہوتا چلا آرہا تھا۔ اب اگر آپ میری یہ کتاب دیکھ رہے ہیں تو یہ درحقیقت علی میاں پبلشرز کے عبدالغفار کا 'کارنامہ' ہے۔ میرا اس میں کوئی کمال نہیں۔ ان حضرت سے خط و کتابت چلی اور پھر ملاقات ہوئی تو اندازہ ہوا کہ یہ جس کام کا بیڑہ اُٹھالیں اسے کر کے ہی دم لیتے ہیں۔

"لہو کا سُراغ" میری اُن کہانیوں میں سے ایک ہے جنہیں آپ ایک بار شروع کرلیں تو پھر ختم کیے بغیر نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ ایک ایسی عورت کی کہانی ہے جسے خوبصورتی، خوشحالی عزت وقار سبھی کچھ حاصل تھا۔ کردار کی مضبوطی کی طاقت بھی اس کے پاس تھی مگر پھر دھیرے دھیرے اسے احساس ہوا کہ ایک اور عجیب و غریب طاقت بھی اس کے پاس موجود ہے۔ اس کے ساتھ

ہی گویا اس کی زندگی کا ایک عجیب و غریب سفر شروع ہوگیا جس میں قدم قدم پر نت نئے تجربات تھے اور نت نئے ہنگامے۔

بہت سے لوگ ایسی طاقت حاصل ہونے کے خواب دیکھتے ہیں لیکن ہر چیز کے اچھے بُرے دو پہلو ہوتے ہیں۔ طاقت کسی بھی قسم کی ہو، بہت اچھی لگتی ہے لیکن ہر طاقت اپنے ساتھ کچھ مسائل، کچھ پریشانیاں بھی لاتی ہے۔ اس طاقت نے انجام کار اس خوبصورت و خوش خیالی عورت کو کیا دیا، یہ تو آپ کہانی پڑھنے کے بعد ہی جان سکیں گے۔

میں نے بہت ہی کم عمری میں لکھنا شروع کیا تھا اور گزشتہ پچیس تیس برسوں میں نہ جانے کتنا کچھ لکھ جانے کے باوجود میں محسوس کرتا ہوں...... اور شاید ہر مصنف ہی محسوس کرتا ہوگا...... کہ آج بھی میں اپنی ہر کہانی خونِ جگر صرف کر کے لکھتا ہوں۔ حتیٰ کہ میں تو ترجمہ کرتے وقت بھی یہ سوچ کر نہیں لکھتا کہ چلو! یہ تو ترجمہ ہے جیسا چاہے گھسیٹ دو۔ میں ترجمے میں بھی خاصا خونِ دل صرف کرتا ہوں اور اپنی سی کوشش کرتا ہوں کہ ترجمے کا حق ادا ہو جائے۔

اپنی اِسی کوشش کی بنا پر مجھے اُمید...... بلکہ یقین ہے کہ آپ کو میری یہ کتاب پسند آئے گی۔ آپ کی پسندیدگی ہی مصنف کا اصل اثاثہ ہے جو باقی رہ جاتا ہے۔

یار زندہ، صُحبت باقی

آپ کا اپنا

محمود احمد مودی

سیٹھ قاسم کے گھر پر منعقد ہونے والی تقریبات اونچے طبقے میں بڑی شہرت رکھتی تھیں۔ ڈیفنس کے ایک دور افتادہ گوشے میں واقع ان کا طویل و عریض محل نما بنگلہ کسی بھی تقریب کے دوران باہر سے حسب معمول سکوت میں ڈوبا نظر آتا تھا۔ صرف چار دیواری کے ساتھ قطار در قطار کھڑی رنگ برنگی گاڑیاں اور ان کے اندر اونگھتے ہوئے بعض ڈرائیوروں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ بنگلے میں لوگ جمع ہیں اور کچھ ہو رہا ہے۔ وگرنہ اونچی دیواریں' کشادہ کمرے' بڑے بڑے ہال اور سوئمنگ پول کے اردگرد پھیلا ہوا سبزہ زار' اندر کے بھید اندر ہی چھپائے رکھتا تھا۔

کبھی کبھار کسی تقریب کے ساتھ اگر لمبا چوڑا ورائٹی پروگرام بھی شامل ہوتا تھا تب ہائی فائی ساؤنڈ سسٹم استعمال کیا جاتا تھا اور رات کے سکوت میں ساز و آواز کی لہریں ہوا کے دوش پر بکھر جاتی تھیں مگر اس علاقے میں یہ بھی مدھم' مترنم اور کانوں کو بھلی لگتی تھیں کیونکہ سبھی بنگلے ہزاروں گز پر پھیلے ہوئے تھے۔ ایک گھر سے دوسرے گھر تک سفر کرتے کرتے اور بند دروازوں والے ایئرکنڈیشنڈ کمروں تک پہنچتے پہنچتے ساز و آواز کی لہریں تھک جاتی تھیں۔ یہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ڈربا نما فلیٹ تو تھے نہیں کہ ایک گھر میں کسی نے ٹی وی کھولا تو دوسرے گھر میں کتاب سے الجھے ہوئے کسی طالب علم کا پڑھنا

دوبھر ہو گیا۔

سیٹھ قاسم دیگر معاملات میں تو بیشتر دولت مندوں کی طرح پیسہ دانت سے پکڑ کر ہی خرچ کرتے تھے مگر یہ غالباً" نفسیاتی گرہ کا نتیجہ تھا کہ پارٹیوں کے معاملے میں بڑے شاہ خرچ تھے۔ پارٹیاں دینے کا بہانہ ڈھونڈتے تھے اور ان میں ہر قبیل کے مہمانوں کی دلجوئی کا سامان کرنے کے لئے پیسہ پانی کی طرح بہاتے تھے۔ آج کوئی بچہ پاس ہو گیا تو پارٹی۔ آج نیا کنٹریکٹ مل گیا تو پارٹی۔ آج فلاں فیکٹری کے لئے باہر سے نئی مشینری آگئی تو پارٹی۔ آج اسکول میں بچے نے کھیلوں کے کسی مقابلے میں کوئی چھوٹا موٹا کپ حاصل کر لیا تو پارٹی۔

آج بھی ان کے ہاں ایسی ہی ایک تقریب بپا تھی۔ بنگلے کے سبزہ زار پر رنگ و نور کا ایک سیلاب آیا ہوا تھا خوشبو میں بسے پیرہن سرسرا رہے تھے۔ مترنم قہقہے کانوں میں رس گھول رہے تھے۔ کیٹرنگ سروس کے باوردی بیرے اشیائے خوردونوش کی کشتیاں اٹھائے اِدھر اُدھر چکراتے پھر رہے تھے کچھ لوگوں کے ہاتھوں میں اپنے پسندیدہ مشروبِ خاص کے گلاس بھی تھے۔

خواتین ایک دوسرے سے نمایاں نظر آنے کے لئے گویا آرائش و زیبائش کے ایک طویل مقابلے سے گزر کر آئی تھیں۔ ملبوسات کے معاملے میں بھی ہر خاتون نے جدت طرازی کا ایک نیا ریکارڈ قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ نت نئے عالمی فیشن کے مطابق بیش قیمت زیورات بھی ہر تن سیمیں پر سجے ہوئے تھے۔

ایسے ماحول میں جہاں آرائش کا مقابلہ اس قدر سخت ہو اور دولت کی نمائش کے معاملے میں سب ایک دوسرے کو شکست دینے پر تُلے ہوئے ہوں وہاں منفرد اور نمایاں نظر آنا آسان نہیں ہوتا۔

مگر عالیہ تمام مہمانوں میں نمایاں نظر آ رہی تھی!

اس کی وجہ مخصوص اس کا حسن سادہ و معصوم تھا۔ اس نے ذرا بھی میک اپ نہیں کیا ہوا تھا۔ اس کا لباس بھی جدید' بھڑکیلا یا انوکھی تراش خراش کا نہیں تھا۔ وہ ایک نفیس اور بیش قیمت مگر بظاہر سادہ سی سبز ساری میں تھی۔

قدرت نے اسے جو حسین' معصوم اور پُرکشش چہرہ عطا کیا تھا وہ اس پر کبھی ذرا سی

بھی لیپا پوتی کی کوشش نہیں کرتی تھی اور یہی اس کی انفرادیت بن گئی تھی۔ وہ سب سے الگ تھلگ نظر آتی تھی اسے دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ درحقیقت اسے کسی قسم کے میک اپ یا آرائش کی ضرورت بھی نہیں۔ اس کے لمبے' سیاہ ریشمی بال جس حالت میں بھی ہوتے' بھلے معلوم ہوتے۔ اس کی رنگت اتنی اجلی تھی کہ اس کا چہرہ چاندنی سے تراشا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ وہ اگر میک اپ کرتی تو شاید اس کا اُجلا اُجلا چہرہ بہتر نظر آنے کے بجائے داغدار سا معلوم ہوتا۔

وہ عمر کے تیسویں برس میں تھی اور اکثر اوقات بے حد سنجیدہ رہتی تھی اس سنجیدگی میں ایک بے عنوان سی افسردگی کا امتزاج بھی ہوتا تھا مگر اس کے باوجود وہ اپنی عمر سے کہیں کم' بالکل ایک نوخیز لڑکی نظر آتی تھی۔ اس کی سیاہ غزالی آنکھوں سے جب لمبی پلکوں کی جھالریں اٹھتی تھیں اور وہ حیران حیران سے انداز میں کسی کی طرف ایک نظر دیکھتی تھی تو اس شخص کا دل اتھل پتھل سا ہو جاتا تھا۔

بڑی افسانوی سی شخصیت تھی اس کی........ اور جس طبقے سے اس کا تعلق تھا' جن لوگوں میں اس کا بیشتر وقت گزرتا تھا ان میں وہ اجنبی اجنبی سی دکھائی دیتی تھی۔ تصنع کی اس دنیا میں وہ کسی اور ہی جہان کی مخلوق نظر آتی تھی۔

لان کے ایک گوشے میں دیگر لوگوں کی ٹولیوں سے ذرا ہٹ کر عالیہ اپنے بڑے بھائی عامر اور اپنے شوہر منیر کے ساتھ کھڑی تھی۔ عامر میں تو عالیہ کی شخصیت کی کچھ نہ کچھ جھلک نظر آتی تھی۔ آخر وہ اس کا بھائی تھا۔ مگر منیر تو گویا بالکل ہی اس کی ضد تھا۔

اسے بدصورت تو نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن خوش شکل بھی قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ وہ چھ فٹ کا ایک لمبا تڑنگا' مضبوط اور سانولا مرد تھا۔ اس کی شخصیت سرتاپا کرختگی تھی اس کی جلد کھردری اور نقش موٹے موٹے سے تھے ہاتھ مزدوروں کی طرح چوڑے' کھردرے اور مضبوط تھے۔ جسم کسرتی اور کندھے چوڑے تھے۔ مجموعی طور پر اس کی شخصیت ایسی تھی کہ عالیہ جیسی نازک اندام اور سہمی سہمی سی رہنے والی عورت اس کی پناہ میں آکر تحفظ محسوس کرتی تھی۔

شاید تحفظ کی یہی طلب عالیہ کو منیر کے قریب لائی تھی۔ ان کی شادی کو زیادہ عرصہ

نہیں گزرا تھا۔ وہ پہلی ملاقات........ وہ شناسائیوں کے مرحلے........ جذبوں کے وہ مدوجزر........ یہ سب کچھ زیادہ پرانی باتیں نہیں تھیں۔ ابھی کل ہی کی بات لگتی تھی........

لیکن اس وقت عالیہ بیتے دنوں کی بھول بھلیوں میں نہیں بھٹک رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پلیٹ تھی مگر اس نے کھانا صحیح طور پر چکھا بھی نہیں تھا اس کی نظریں دور کہیں تاریکیوں میں کچھ تلاش کر رہی تھیں اور اس کے اجلے اجلے چہرے پر خوف کے سائے نمودار ہونے لگے تھے۔

چند لمحے پہلے تک وہ بڑی خوشدلی سے عامر اور منیر سے باتیں کر رہی تھی لیکن پھر یکدم ہی اسے چپ سی لگ گئی تھی۔ عامر اور منیر دونوں نے ہی اس کے چہرے پر نمودار ہونے والے تغیّر کو محسوس کر لیا تھا۔ یہ ان کے لئے نئی چیز نہیں تھی۔ وہ اس تبدیلی کا مطلب بخوبی سمجھتے تھے اس لئے کھانے کی طرف سے ان کا دھیان ہٹ گیا تھا اور وہ چوکنے سے ہو گئے تھے۔

"کیا تمہیں کچھ نظر آنے لگا ہے عالیہ؟" منیر نے اس کے قریب ہوتے ہوئے اتنی نیچی آواز میں پوچھا کہ دوسرے لوگ نہ سن سکیں"۔

"ہاں........" عالیہ کی آواز گویا کہیں دور سے سنائی دی۔ "مجھے قاتل نظر آ رہا ہے۔ وہ نیم تاریک گلیوں میں بھٹک رہا ہے........ خنجر اس نے اس طرح ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے کہ اس کا پھل آستین میں چھپا ہوا ہے........ بظاہر وہ اس طرح مکانوں کے سامنے سے گزر رہا ہے جیسے اسے کسی خاص مکان کی تلاش ہے........ مگر در حقیقت وہ اپنا شکار تلاش کر رہا ہے........ شکار........"

عامر کے چہرے پر تناؤ کے آثار ابھر آئے اور منیر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا انہیں یہ اندیشہ تو تھا کہ آج رات وہ عالیہ کی زبان سے اس قسم کی کوئی خبر سنیں گے لیکن یہ توقع نہیں تھی کہ تقریب کے دوران ہی یہ سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

بات یہ نہیں تھی کہ عالیہ پر کوئی دورہ پڑا تھا یا یہ الفاظ کسی قسم کے ذہنی خلجان کی پیداوار تھے۔ اکثر و بیشتر اس پر ایسی ہی وجدانی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اس کے باطن میں گویا کوئی غیبی آنکھ کام کرنے لگتی تھی جس کے ذریعے وہ کہیں وقوع پذیر ہوتا ہوا کوئی

واقعہ دیکھنے لگتی تھی۔ خصوصاً" کوئی ایسا واقعہ جس کا تعلق قتل' آبروریزی' چوری یا ایسے ہی کسی اور گھناؤنے جرم سے ہوتا تھا۔ کبھی کبھی اس کی وجدانی قوت اسے کسی واقعے کے رونما ہونے سے پہلے بھی اس کے بارے میں خبردار کر دیتی تھی۔

عام لوگوں کی نظر میں عالیہ کی یہ صلاحیت بڑی نعمت تھی۔ ایک غیر معمولی قوت تھی لیکن خود عالیہ آج تک فیصلہ نہیں کر سکی تھی کہ اس وقت' اس صلاحیت کو اپنے لئے رحمت سمجھے یا زحمت؟ اس قوت کی بدولت جہاں اس کی شہرت گھر گھر پھیلی تھی' معاشرے میں اس کی عزت و توقیر میں اضافہ ہوا تھا وہیں اسے بار بار ذہنی و اعصابی تکلیف بھی اٹھانی پڑی تھی۔ اب بھی یہ عالم تھا کہ جب اس کی یہ مخفی قوت حرکت میں آتی تھی' جب بھی اس کی باطنی نظر اپنے سفر پر نکلتی تھی تو اس کے نرم و نازک سراپا میں ایک تکلیف دہ قسم کی ہلچل برپا ہو جاتی تھی اس کے اعصاب اتھل پتھل ہونے لگتے تھے۔

یہ قوت اسے بچپن میں ہی ودیعت ہو گئی تھی۔ مگر صحیح طور پر خود اسے اور دوسروں کو بھی اس کا احساس بہت بعد میں جا کر ہوا۔ وہ بہت چھوٹی تھی جب گھر میں اس کی خالہ کا ایک قیمتی ہار ان کی سنگھار میز کی دراز سے غائب ہو گیا۔ اس کی تلاش میں طویل و عریض مکان کا کونا کونا چھان مارا گیا مگر وہ مل کر نہ دیا۔

جب سب اس کی بازیابی کے سلسلے میں مایوس ہو چکے تھے تو شام کو عالیہ نے اپنا سکول کا کام کرتے کرتے اچانک کتاب سے نظر ہٹا کر کہا۔ "آنٹی آپ کا ہار باتھ روم کے فلش کی ٹنکی کے اوپر پڑا ہے"۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" خالہ نے شک زدہ سی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے وہ وہاں پڑا نظر آ رہا ہے"۔ عالیہ نے سادگی سے جواب دیا۔ "آپ کے کمرے ہی کے باتھ روم میں پڑا ہے"۔

"اور تمہیں یہاں بیٹھے بیٹھے نظر آ رہا ہے؟" خالہ نے بے یقینی سے کہا۔ عالیہ اس وقت ان کے کمرے سے کافی دور برآمدے میں بیٹھی تھی۔

"جی ہاں آنٹی! وہ مجھے نظر آ رہا ہے"۔ ننھی عالیہ سنجیدگی سے اپنی بات پر قائم

رہی۔

کسی کو اس کی بات کا یقین تو نہیں تھا مگر یونہی دل کی تسلی کے لئے دیکھ لیا گیا۔ مکان پرانی ساخت کا تھا اور باتھ رومز میں فلش کی ٹینکیاں خاصی بلندی پر لگی ہوئی تھیں لوہے کی اس بھاری بھر کم ٹنکی پر بالکل کونے میں دیوار کے قریب ہار واقعی پڑا مل گیا۔ شاید کسی ملازم یا ملازمہ نے دراز سے نکال کر اس ارادے سے وہاں ڈال دیا تھا کہ مناسب موقع دیکھ کر بعد میں لے جائے گی۔

عالیہ کو اس سلسلے میں بہت کریدا گیا کہ اسے کس طرح ہار کی موجودگی کا علم ہوا لیکن وہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکی۔ بس یہی کہتی رہی کہ بیٹھے بیٹھے اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے وہ جگہ آ گئی تھی جہاں ہار پڑا تھا۔

کسی کا ذہن اس طرف نہ گیا کہ یہ عالیہ کی کسی غیر معمولی صلاحیت کا کرشمہ ہو سکتا ہے۔ یہی سمجھا گیا کہ اس نے کسی کو ہار وہاں چھپاتے دیکھا ہو گا لیکن کسی وجہ سے وہ اس کا نام ظاہر نہیں کر رہی۔ بلکہ کسی حد تک تو خفیف سا شبہ خود اس پر بھی کیا گیا کہ شاید اس نے خود ہی محض شرارتاً ہار اچھال کر وہاں پھینک دیا ہو گا اور سب گھر والوں کی پریشانی سے محظوظ ہونے کے بعد بتایا ہو گا۔ تاہم اس سلسلے میں کسی نے اس سے سختی سے باز پرس کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ پورے گھر کی لاڈلی بچی تھی اور اس وقت اس کی ماں اور باپ دونوں ہی زندہ تھے۔

اس کے بعد خاصے عرصے تک ویسا کوئی واقعہ مزید نہ گزرا اور گھر والے اس بات کو بھول بھال گئے۔ پھر کمسنی میں ہی عالیہ پر ایک حادثہ ایسا گزرا کہ کافی عرصے کے لئے باقی سب باتیں طاقِ نسیاں ہو گئیں۔ جب اس اندوہناک حادثے کے جسمانی اور روحانی زخم بھر چکے تو ایک بار پھر عالیہ میں اس وجدانی قوت کا اظہار ہونا شروع ہوا۔

کئی بار اس نے بیٹھے بٹھائے کسی کی گمشدہ چیز کا پتہ بتا دیا۔ ان میں سے بعض چیزوں کا تعلق تو اپنے گھر سے بھی نہیں تھا۔ وہ کئی گھر پرے یا آس پاس کی کسی گلی میں رہنے والوں کی چیزیں تھیں۔

تب لوگ چونکے اور انہیں احساس ہوا کہ اس سنجیدہ بچی میں کوئی غیر معمولی قوت

موجود تھی۔ بات "ہونٹوں سے نکلی کوٹھوں چڑھی" کے مصداق بہت ہی تیزی سے پھیلی۔ دور دور سے لوگ اپنی اپنی گمشدہ چیزوں کا سراغ لگوانے کے لئے اس کے پاس آنے لگے۔ صبح شام اس کے گرد ہجوم سا رہنے لگا۔ ضعیف الاعتقاد لوگوں نے اس کے بارے میں طرح طرح کے افسانے مشہور کر دیئے۔ اچھے بھلے پڑھے لکھے اور معقول لوگ بھی اس کی صلاحیتوں کے قصے بڑھا چڑھا کر بیان کرتے۔

جلد ہی اس نوعمر بچی کی حیثیت ایک "پیرنی" کی سی ہو گئی۔ اس کی روحانی قوت کے نہ جانے کیسے کیسے افسانے مشہور ہو گئے۔ حالات کے ستائے ہوئے معصوم و سادہ لوح لوگ جو چاروں طرف سے مایوس ہو چکے ہوتے ہیں انہیں تنکے کا سہارا بھی غنیمت لگتا ہے ایسے لوگوں نے تو عالیہ کے گھر پر یلغار ہی کر دی۔

لوگ صرف گمشدہ چیزوں کی تلاش کے سلسلے میں ہی نہیں، اپنے ہر مسئلے کے حل کی امید لے کر اس کے پاس آنے لگے۔ کوئی تعویذ لکھوانے چلا آ رہا ہے تو کوئی جادو کا توڑ کروانے چلا آ رہا ہے۔ کوئی اسے زبردست عاملہ سمجھتا اور کوئی "پہنچی" ہوئی ہستی قرار دیتا۔ لوگ حسبِ استطاعت نذرانے بھی لے کر آتے۔ عالیہ کے والدین کھاتے پیتے لوگ تھے۔ ان کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں تھی وہ لوگوں سے کوئی چیز لینا پسند نہ کرتے۔ وہ لوگوں کی لائی ہوئی چیزوں اور نقد رقموں کے نذرانے واپس کرتے کرتے تھک جاتے۔ اس بات سے لوگوں کی عقیدت اور بھی بڑھ جاتی۔

عالیہ خود بھی اپنی بساط کے مطابق اور اس کے والدین بھی ہر ممکن وضاحت کے ساتھ لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کرتے کہ وہ روحانی قوتوں کی مالک نہیں ہے اس میں تو بس کبھی کبھی ایک ایسی قوت بیدار ہوتی ہے جو اسے قبل از وقت بعض باتوں کا سراغ دے دیتی ہے یا پھر کہیں وقوع پذیر ہوتا ہوا کوئی واقعہ اس کی باطنی آنکھ کے سامنے گھوم جاتا ہے اور یہ قوت، یہ صلاحیت بھی ہر وقت اس کا ساتھ نہیں دیتی۔ وہ سب لوگوں کے تمام مسئلے حل نہیں کر سکتی۔

مگر عقیدت مند اسے اس کی کسر نفسی سمجھتے۔ کبھی کبھی وہ لوگوں کے ہجوم سے تنگ بھی آ جاتی۔ انہیں ڈانٹ دیتی۔ مگر لوگ اس کی ڈانٹ ڈپٹ سن کر بھی بددل نہ

ہوتے۔ مسکرا کر امید بھری نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور سرگوشیوں میں کہتے "بی بی جی! اس وقت جلال میں ہیں....... جب غصہ اترے گا تو سب کام ٹھیک ہو جائیں گے"۔

لوگوں کے کام سنورتے یا نہ سنورتے لیکن آس کی ڈور بندھی رہتی۔ رشتہ امید قائم رہتا وہ خود بھی عالیہ کے گھر کے چکر لگاتے رہتے اور دوسرے کو بھی تلقین کرتے رہے۔ یوں بچپن ہی سے عالیہ کی شخصیت پر بزرگی کا ایک خول سا چڑھ گیا۔ فطری طور پر بھی وہ سنجیدہ ہی تھی۔ اور پھر لڑکپن سے لوگوں نے اس بصد احترام "بی بی جی" کہنا شروع کر دیا تھا۔ معمر حضرات اور عمر رسیدہ عورتیں بھی اس کے سامنے سر جھکا کر بات کرتی تھیں چنانچہ بزرگی کا یہ خول دن گزرنے کے ساتھ ساتھ مضبوط ہوتا چلا گیا اور عالیہ کی اصل نرم و نازک شخصیت اس کے اندر مقیّد ہو کر سکڑ سمٹ کر رہ گئی۔

عالیہ کا ایک ہی بھائی تھا....... عامر....... یکے بعد دیگرے جب ماں اور باپ دونوں ہی کا حادثاتی طور پر انتقال ہو گیا تو مناسب وقت آنے پر چند بزرگوں نے بیٹھ کر دونوں بھائی بہنوں کے درمیان جائداد کا بٹوارہ بھی کر دیا۔ عالیہ کے حصے میں کچھ زیادہ جائداد نہیں آئی لیکن اسی دوران اس نے بعض قریبی لوگوں کے بہت زیادہ سمجھانے بجھانے پر اپنے عقیدت مندوں کے نذرانے قبول کرنے شروع کر دیئے تھے۔ اس لئے اس کی مالی حیثیت دن بدن مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی۔

اس کا شمار اونچے طبقے کے لوگوں میں ہوتا تھا اور اس طبقے میں بھی اس کے عقیدت مند موجود تھے اور وہ اپنی تقریبات میں محض سماجی میل جول کے لئے ہی نہیں بلکہ ازراہِ عقیدت بھی اسے بلاتے تھے۔ جب اسے وقت میسّر ہوتا تھا تو کسی تقریب میں چلی جاتی تھی۔

تعلیم کی طرف سے بھی اس نے غفلت نہیں برتی تھی اس نے نفسیات میں ایم۔اے کیا تھا لیکن اس سے اسے ذہن اور روح کی پاتال جیسی گہرائیوں میں پہنچنے اور انسانی ذہن کی خفتہ و خفیہ صلاحیتوں کے بھید پانے میں کوئی خاص مدد نہیں ملی تھی۔ اس لئے اس نے ساتھ ساتھ ذاتی سطح پر برسوں روحانی اور نفسیاتی علوم کا مطالعہ جاری رکھا تھا

انگریزی یا اردو میں اسے ان علوم پر جب بھی کوئی معتبر کتاب نظر آتی وہ اسے ضرور خریدتی اور اس کے نفسِ مضمون کی تمام تر وسعتوں کو پانے کی کوشش کرتی۔ ان موضوعات سے دلچسپی رکھنے والی معروف شخصیات سے بھی اس کا تبادلہ خیال جاری رہتا اور ہر ایک سے وہ کچھ نہ کچھ سیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کرتی۔ یوں اس کی شخصیت کے گرد علمیت کا بھی ایک ہالہ سا بن گیا تھا۔ لوگ صرف اس کی معلوم اور نامعلوم روحانی صلاحیتوں سے ہی نہیں، اس کی علمیت سے بھی مرعوب رہتے تھے۔

انہوں نے مل کر اسے ایک اونچے سنگھاسن پر بٹھا دیا تھا۔ کسی کو گویا یاد ہی نہیں رہا تھا کہ وہ ایک جوان لڑکی ہے اس کے سینے میں بھی دوسری اَن گنت لڑکیوں کی طرح ایک دل دھڑک رہا ہے جس میں کبھی کبھی بے عنوان سی خواہشیں کروٹیں لیتی ہیں۔ سفید دوپٹے کے پاکیزہ سے حلقے میں گھرا ہوا اس کا چاند سا چہرہ بھی کبھی کبھی حیا سے گلنار ہونا چاہتا ہے اس کے نرم مرمریں ہاتھ بھی محبت کی حرارت اور چاہت کا لمس محسوس کرنا چاہتے ہیں۔

کبھی کبھی رات میں ڈراؤنے خوابوں سے اس کی آنکھ کھل جاتی۔ اس کے حلق میں کانٹے سے پڑ جاتے۔ اعصاب وائلن کی تاروں کی طرح تن جاتے اور یوں لگتا کہ کسی بھی لمحے ٹوٹ جائیں گے۔ رُواں رُواں ایک میٹھے درد سے بھر جاتے۔ اس لمحے دل چاہتا کہ مضبوط بانہوں کا سہارا ہو....... نرم لفظوں کی تشفّی ہو....... مہرباں سرگوشیوں کا تسلسل ہو....... اور آشنا لفظوں کے حلقے میں روح ہلکورے لیتی ہو....... مگر کہیں کچھ بھی نہ ہوتا۔ وہ اپنے کشادہ بیڈروم میں تنہا ہوتی۔ صرف انجانے اندیشوں اور ایک بے عنوان خوف کے سائے اس کے ہمراہ ہوتے۔

اس کی شہرت کچھ اور بڑھی تو پولیس والوں نے بھی تجربے کے طور پر چند ایک وارداتوں کا سراغ لگانے کے لئے اس کی مدد حاصل کی کسی میں اسے ناکامی ہوئی اور کسی میں کامیابی۔ تاہم چند ایک پولیس آفیسرز بھی پوری طرح اس کے معتقد ہو گئے وہ تو ویسے بھی مجرموں کو پکڑنے کے سلسلے میں شارٹ کٹ ڈھونڈتے تھے۔ ابتداء میں تو وہ یہی سمجھے کہ ایک طرح کا چراغ الہ دین ان کے ہاتھ آ گیا ہے۔ اب ہر مجرم نہایت آسانی سے ان

کے ہاتھ آ جائے گا اور وہ تعریفی اسناد اور انعام و اکرام وصول کر کے اخباروں میں تصویریں چھپوا سکیں گے۔ کیونکہ عالیہ تو ان معاملات میں نہایت بے نیاز واقع ہوئی تھی۔ وہ کبھی کسی کام کا کریڈٹ لینے کی کوشش نہیں کرتی تھی۔

لیکن پولیس والوں کی زیادہ توقعات پوری نہیں ہو سکیں۔ کیونکہ عالیہ کی پُراسرار قوت نہ تو ہروقت بیدار ہوتی تھی اور نہ ہی ہرواردات کے سلسلے میں مددگار ہوتی تھی۔ یہ قوت بعض مخصوص قسم کی وارداتوں میں ہی کبھی کبھار رہنمائی کرتی تھی۔

کچھ عرصے سے پولیس کو شہر میں امن و امان کا مسئلہ تو درپیش تھا ہی لیکن ایک اور ہی طرح کی پے درپے چند وارداتوں نے بھی انہیں پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔ خدا خدا کر کے ہتھوڑا گروپ کی وارداتوں کا سلسلہ ختم ہوا تھا تو ملتی جلتی وارداتوں کے ایک اور سلسلے کا آغاز ہو گیا تھا۔ وارداتوں میں مماثلت کی وجہ سے پولیس کو اندیشہ تھا کہ یہ سلسلہ بھی طول نہ کھینچ جائے اور اس طرح ایک بار پھر معاشرے کے مختلف طبقوں میں بھونچال نہ آ جائے۔

کوئی رات کے اندھیروں میں تمام رکاوٹوں کو روندتا ہوا' تمام حفاظتی انتظامات کو توڑتا ہوا کسی تنہا عورت تک پہنچتا اور نہایت ہی بہیمانہ اور سفاکانہ انداز میں انہیں قتل کر دیتا تھا۔ اگر عورت تنہا ہوتی تھی تو وہ اس کی ہوس کا نشانہ بھی بنتی تھی۔ اگر وہ کسی ایسی جگہ حملہ آور ہوتا جہاں ایک سے زیادہ عورتیں موجود ہوتیں تو پھر خوبصورت ترین عورت اس کی ہوس کا نشانہ بنتی اور موت تو ان سب کا مقدر ہوتی ہی تھی۔

اب تک گیارہ عورتیں اس درندہ صفت شخص کے جنون کی بھینٹ چڑھ چکی تھیں اور پولیس کو اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا۔ بیشتر وارداتیں کلفٹن اور ڈیفنس کے علاقوں میں ہوئی تھیں۔ متعلقہ تھانے ایس پی شرافت علی بیگ کے ماتحت تھے اور شرافت علی اس سلسلے میں بے حد پریشان تھے۔ انہوں نے اپنے ماتحت ہر تھانے کے ایس ایچ او کو سخت ترین ہدایات دی تھیں اور خود بھی وقت نکال کر کئی وارداتوں کی تفتیش کے لئے پہنچے تھے مگر وہ بھی مجرم کا کوئی سراغ پانے سے قاصر تھے۔

شرافت علی پڑھے لکھے اور روشن خیال آدمی تھے۔ وہ بھی عالیہ کے معتقدین میں

شامل تھے لیکن ان کے اعتقاد کی بنیاد توہم پرستی یا کم علمی پر نہیں تھی وہ خالص سائنسی بنیادوں پر ممکنہ حد تک عالیہ کی اس حیران کن صلاحیت کا تجزیہ کر چکے تھے اور اسی نتیجے پر پہنچے تھے کہ یہ ٹیلی پیتھی ہی کی ایک شکل تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ انسانی ذہن قدرت کا ایک عجیب و غریب شاہکار ہے اس میں بے شمار ایسی نامعلوم صلاحیتیں اندھیرے گوشوں میں پڑی رہتی ہیں جو اگر دریافت ہو جائیں اور جنہیں استعمال کرنے پر انسان قادر ہو جائے تو معاشرے میں قدم قدم پر ایک انقلاب اور ایک نیا جہان حیرت دیکھنے کو ملے......... انہی صلاحیتوں میں سے کسی ایک آدھ صلاحیت تک انسان کے شعور کی رسائی ہو جاتی تھی تو عالیہ جیسی شخصیتیں سامنے آتی تھیں۔

چنانچہ جرائم کے سلسلے میں عالیہ سے مدد لینے کا خیال بھی سب سے پہلے ایس پی شرافت علی صاحب کو ہی آیا تھا۔ کئی وارداتوں کے مجرموں پر ہاتھ ڈالنے میں انہیں اور ان کے ماتحتوں کو عالیہ کی بدولت کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اب بھی انہوں نے کافی دن پہلے ہی عالیہ سے درخواست کر رکھی تھی کہ اگر اس نامعلوم سفاک اور جنونی قاتل کے بارے میں اس کے باطن کی آنکھ اسے کچھ دکھائے تو وہ فوری طور پر پولیس کو اطلاع دے۔

.........اور آج یکایک بالکل غیرمتوقع طور پر سیٹھ قاسم کے ہاں پارٹی میں عالیہ کے ذہن کا وہ پُراسرار دریچہ روشن ہو گیا تھا اور اس میں قاتل کی دھندلی دھندلی سی تصویر ابھر آئی تھی۔

منیر نے حتی الامکان پُرسکون لہجے میں پوچھا......... "تمہیں یقین ہے کہ یہ وہی قاتل ہے جو عورتوں پر مجرمانہ حملہ کرتا ہے اور نہایت سفاکانہ انداز میں انہیں قتل کر دیتا ہے؟؟"

"ہاں......... یہ یقیناً" وہی قاتل ہے........." عالیہ نے منیر کی طرف دیکھے بغیر سرگوشی نما لہجے میں جواب دیا۔ اس کی نظریں اب بھی دور کہیں تاریکی میں مرکوز تھیں اور وہ پلک نہیں جھپک رہی تھی۔

منیر نے مڑ کر عامر کی طرف دیکھا اور قدرے تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "جاؤ......... اندر جا کر تھانے فون کر دو۔ عالیہ کا حوالہ دے دینا اور یہ ساری صورت حال بتا دینا۔ وہ لوگ

فوراً آ جائیں گے...... ایس پی صاحب نے انہیں اس سلسلے میں پہلے ہی ہدایات دے رکھی ہیں...... تم خاموشی سے جا کر فون کرنا...... کسی مہمان سے اس سلسلے میں بات مت کرنا۔ یہاں خواہ مخواہ ہیجان پھیلانے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں ان لوگوں کے رنگ میں بھنگ نہیں ڈالنا چاہئے"۔

عامر نے ناگواری سے سر ہلایا اور اندر جانے کے لئے مڑ گیا۔ اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ اسے نہ تو منیر کی شخصیت پسند تھی اور نہ ہی اس کا لہجہ۔ وہ اپنی ناپسندیدگی چھپانے کی کوشش نہیں کرتا تھا تاہم منیر کے سامنے سرکشی یا زبان درازی کا مظاہرہ بھی نہیں کرتا تھا کبھی کبھار کسی موضوع پر اختلاف رائے ہو جاتا تو عامر کے لہجے میں تھوڑی بہت تلخی ضرور آ جاتی تھی مگر بہنوئی سے اس کی باقاعدہ جھڑپ کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس میں کچھ منیر کی شخصیت کے رعب، کرختگی اور کھردرے پن کو بھی دخل تھا۔ اس کے سامنے سر اٹھا کر یا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا ذرا مشکل ہی لگتا تھا۔ وہ عامر اور عالیہ دونوں ہی سے عمر میں بھی خاصا بڑا تھا۔ عامر نے ابتداء ہی سے منیر کو پسند نہیں کیا تھا اور کبھی کبھی اسے بڑی حیرت ہوتی تھی کہ اس کی بہن نے آخر اس شخص میں کیا دیکھا جو اس سے شادی کر لی تھی۔

عامر نے راستے میں گھر کے ایک نوکر سے معلوم کیا کہ فون کس کمرے میں ہے۔ پھر وہ اس نوکر کے ساتھ اندر چلا گیا وہ نظروں سے اوجھل ہو چکا تو منیر دوبارہ عالیہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے نہایت ملائمت سے بولا...... "سلسلہ ٹوٹنے مت دینا...... اس شخص پر نظر رکھنا...... اسے آج ضرور پولیس کے ہاتھ آ جانا چاہئے"۔

اس سے پہلے تین چار مرتبہ ایسا بھی ہو چکا تھا کہ عالیہ نے اپنی خداداد صلاحیت کی مدد سے کوئی منظر دیکھنا شروع کیا لیکن چند لمحے بعد وہ منظر اس کی غیبی آنکھ سے اوجھل ہو گیا...... بالکل اسی طرح جیسے برقی رو منقطع ہونے پر ٹی وی اسکرین سے کوئی منظر غائب ہو جائے...... اس کے بعد کوشش کے باوجود وہ سلسلہ بحال نہ ہو سکا اور گویا عالیہ کے ہاتھوں میں آئی ہوئی کوئی ڈور چھوٹ گئی...... اس لئے منیر اس وقت اسے ہدایت کر رہا تھا کہ وہ اس سلسلے کو ٹوٹنے نہ دے حالانکہ اسے خود بھی معلوم تھا یہ عالیہ کے اپنے ہاتھ

میں نہیں وہ صرف اپنی ذہنی یکسوئی کو برقرار رکھ سکتی تھی اور تمام تر دماغی صلاحیتوں کو ایک نقطے پر مرکوز رکھنے کی کوشش کر سکتی تھی اس سے اسے منظر برقرار رکھنے میں مدد ضرور ملتی تھی...... مگر اس کوشش میں اس کے اعصاب اور دماغی شریانوں پر بہت دباؤ پڑتا تھا اور گو کہ اسے اس کام کی بہت مشق ہو چکی تھی مگر پھر بھی یہ اسے ایک صبر آزما اور اعصاب شکن مرحلہ معلوم ہوتا تھا۔

ایک لمحے کے توقف کے بعد منیر نے پوچھا...... "عالیہ جان! قاتل اب کیا کر رہا ہے؟" اس کے لہجے میں تناؤ تھا۔

"وہ اب ایک عقبی گلی میں داخل ہو گیا ہے......" عالیہ اتنی آہستگی سے بولی کہ اس کے پنکھڑی سے لب بھی ہلتے ہوئے محسوس نہیں ہوئے۔ "اس گلی میں زیادہ اندھیرا ہے...... کسی کسی مکان کے سامنے اس طرف بھی باڑھ لگی ہوئی ہے...... وہ ایک باڑھ کی اوٹ میں چھپ کر ادھر ادھر دیکھ رہا ہے...... مکانوں کا جائزہ لے رہا ہے...... خنجر اب بھی اس کے ہاتھ میں ہے...... مگر اس نے اسے آستین میں ہی چھپا رکھا ہے......"

"اس کا حلیہ کیسا ہے؟" منیر نے گھٹی گھٹی سی آواز میں پوچھا۔

"وہ دراز قد اور مضبوط نظر آتا ہے...... مگر بدحال اور گندا سا لگ رہا ہے...... بال بکھرے ہوئے ہیں۔ رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی ہیں، مونچھیں گھنی ہیں۔ گہرے رنگ کی شلوار قمیض میں ہے۔ مجھے اس کا پورا چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا...... لیکن آنکھیں صاف نظر آ رہی ہیں۔ سرخ سرخ آنکھیں ہیں...... خون سا اترا ہوا ہے اس کی آنکھوں میں...... اور عجیب سی وحشت ہے...... وہ زیر لب گالیاں بھی دے رہا معلوم نہیں کس کو......"

"تمہیں یقین ہے کہ یہ شخص اکیلا ہی ہے؟" منیر نے پوچھا۔

"ہاں...... اکیلا ہی ہے...... کبھی کبھی وہ درندے کی طرح ہوا میں کچھ سونگھنے لگتا ہے۔ اس کی حرکات و سکنات نارمل انسانوں جیسی نہیں ہیں......"

"ظاہر ہے...... جو کچھ اس نے اب تک کیا ہے اس کی روشنی میں وہ نارمل انسان کیسے ہو سکتا ہے"۔ منیر قدرے تلخی سے بولا...... اسی دوران عامر فون کر کے واپس آ گیا

اور اس نے اطلاع دی...... "عالیہ کا حوالہ اور سیٹھ قاسم کے گھر کا ذکر سن کر تھانے والے فوراً روانہ ہو چکے ہیں۔ چند منٹ میں ہی وہ لوگ یہاں پہنچ جائیں گے۔

"ہم سیٹھ قاسم سے اجازت لے کر نکل چلتے ہیں...... باہر سے باہر ہی پولیس والوں سے مل لیں گے۔ اس طرح باقی مہمان پریشان نہیں ہوں گے"۔ منیر بولا۔

چند لمحے بعد وہ عالیہ کی طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے بنگلے سے باہر اپنی گاڑی کے قریب آ کھڑے ہوئے۔ گلی میں ملگجی اندھیرا تھا۔ پولیس والے واقعی چند منٹ بعد ہی گلی میں آ پہنچے۔ دو گاڑیاں آگے پیچھے بنگلے کے قریب پہنچیں ان میں سے ایک پولیس جیپ تھی۔ دوسری گاڑی سادہ تھی لیکن اس میں باوردی انسپکٹر موجود تھا۔ ایک ایس آئی اس کے ساتھ تھا جو گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ دو اے ایس آئی جیپ میں تھے۔ ان میں سے ایک سادہ لباس میں تھا۔ عالیہ اور منیر نے ان کی گاڑیوں کو ہاتھ دے کر بنگلے سے کچھ دور ہی روک لیا۔ چاروں پولیس والے گاڑی سے اتر آئے۔

"مجھے انسپکٹر نثار ملک کہتے ہیں"۔ انسپکٹر نے منیر اور عامر سے اپنا تعارف کراتے ہوئے مضبوطی سے مصافحہ کیا۔ اس کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ عالیہ کو غائبانہ طور پر اچھی طرح جانتا تھا۔ تاہم عالیہ کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ وہ ایک دراز قد اور وجیہہ نوجوان تھا۔ روایتی پولیس والوں سے قطعی کافی مختلف...... اس کی شخصیت نہ تو بھاری بھرکم تھی اور نہ ہی اس کے خدوخال یا لہجے میں کھردراپن تھا۔ وہ مہذب اور خوش اطوار بھی معلوم ہوتا تھا وہ انہی پولیس آفیسرز میں سے ایک معلوم ہوتا تھا جو اس محکمے میں شاذونادر ہی نظر آتے ہیں اور جنہیں دیکھ کر ایک خوشگوار سی حیرت ہوتی تھی۔

اس نے اپنے ساتھیوں کا تعارف کرایا۔ "یہ سب انسپکٹر نیاز چوہدری ہیں...... یہ اسسٹنٹ سب انسپکٹر نور حیات ہیں......" پھر اس نے سادہ لباس والے کی طرف اشارہ کیا...... "یہ اے ایس آئی رب نواز ہیں......"

وہ یکدم خاموش ہو گیا کیونکہ اسے احساس ہوا تھا کہ عالیہ کی نظر رب نواز پر جم کر رہ گئی تھی پھر اس کے ہونٹ نہایت آہستگی سے ہلے اور وہ خوابناک سے لہجے میں براہ راست رب نواز سے مخاطب ہوئی "تم...... تم اس مہم میں حصہ مت لو...... واپس چلے

جاؤ...... تمہیں خنجر لگ جائے گا...... وہ شخص خنجر سے تمہارا پیٹ پھاڑ دے گا...... تم اپنا بچاؤ نہیں کر سکو گے...... تمہارے بچنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ واپس چلے جاؤ......"

رب نواز ایک بھاری بھرکم اور بارعب آدمی تھا۔ وہ یکدم مضطرب سا ہو گیا۔ اس نے عجیب بے بسی آمیز سے انداز میں سب کی طرف دیکھا گویا اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ کیا جواب دے۔ پھر وہ یکدم ہی بھاری سی آواز میں بول اٹھا...... "وہ...... جی...... کیا آپ آنے والے وقت کے بارے میں بھی جان لیتی ہیں کیا کیا ہونے والا ہے؟"

"ہاں...... کبھی کبھی......" عالیہ نے اسی دھیمے اور ٹھہرے لہجے میں جواب دیا۔ "میں اس شخص کو تم پر وار کرتے دیکھ رہی ہوں...... یہ کچھ دیر بعد کا منظر ہے۔ فی الحال وہ شخص ایک پرانی اور ناکارہ گاڑی کی اوٹ میں دبکا ہوا ہے......"

اے ایس آئی رب نواز کی آنکھوں میں بے یقینی تھی اور اسے منیر اور عامر نے بھی محسوس کر لیا تھا...... انسپکٹر نثار ملک نے گویا رب نواز کی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا...... "رب نواز کا کرائمز برانچ سے ہمارے ہاں نیا نیا تبادلہ ہوا ہے۔ یہ اس شہر میں بھی نئے ہیں۔ یہ عالیہ بی بی کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے......" ان تینوں نے اپنی زندگی میں یہ پہلا پولیس آفیسر دیکھا تھا جو اپنے ماتحتوں کا ذکر بھی مؤدبانہ اور مہذبانہ انداز میں کر رہا تھا اور انہیں مخاطب بھی اسی طرح کرتا تھا۔

"جو لوگ عالیہ کو نہیں جانتے وہ بھی اس کی بات ضرور مانتے ہیں"۔ منیر اکھڑے اکھڑے لہجے میں بولا......

"وہ...... دراصل ہم چاروں اپنی صوابدید پر اس مہم پر نہیں آئے اور نہ ہی میرے یہ تینوں ماتحت میرے حکم پر میرے ساتھ ہیں"۔ انسپکٹر نثار ملک ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔

"ہم نے فون پر ایس پی شرافت علی صاحب سے احکامات لئے ہیں اور انہوں نے خاص طور پر ہم چاروں کو اس مہم پر تعینات کیا ہے۔ ہم چاروں، جنونی اور ضدی قسم کے مسلح قاتلوں کو گرفتار کرنے میں ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ اب ہم میں سے کوئی بھی ایس پی

صاحب کے حکم کے بغیر واپس نہیں جا سکتا۔ ویسے بھی ہمیں عامر صاحب نے فون پر جو کچھ بتایا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاتل تنہا ہی ہے اور اس کے پاس صرف ایک خنجر ہے...... اس صورت میں میرا خیال ہے ہم چار مسلح اور تجربہ کار آدمیوں کو زیادہ خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔ رب نواز کو بھی ساتھ رہنے ہی دیتے ہیں......۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا......"

رب نواز شاید خود بھی اس وقت اپنی بہادری ثابت کرنا چاہتا تھا۔ وہ نثار ملک کی بات سن کر مطمئن نظر آنے لگا تھا۔

منیر بے نیازی سے بولا "......یہ تو آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔ عالیہ کی تو جہاں تک رسائی تھی وہاں تک کے خطرات سے اس نے آپ کو آگاہ کر دیا۔ آگے آپ جانیں اور آپ کا کام...... اس وقت تو ویسے بھی بحث و مباحثے کی تو گنجائش ہی نہیں ہے۔ مجھے اب تک عالیہ سے جو کچھ معلوم ہو سکا ہے میں آپ کو بتا دیتا ہوں"۔ ......اس نے وہ سب کچھ دہرا دیا جو اسے اپنے سوالوں کے جواب میں عالیہ سے معلوم ہوا تھا۔ انسپکٹر نثار ملک نے نہایت توجہ سے سب کچھ سنا پھر وہ براہ راست عالیہ سے مخاطب ہوا۔ "آپ نے قاتل کا سراغ کھویا تو نہیں؟ آپ اب بھی اسے دیکھ رہی ہیں؟"

"جی ہاں......" عالیہ کی نظریں ایک بار پھر اندھیرے میں بھٹکنے لگیں وہ اب گاڑی کی اوٹ سے نکل آیا ہے اور آگے بڑھ رہا ہے...... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے کسی خاص مکان کی تلاش ہے...... شاید اسے کسی مکان کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہیں......"

"ٹھیک ہے......" نثار ملک نے سر ہلایا۔ "ہمیں اب حرکت میں آ جانا چاہئے۔ باقی باتیں گاڑی میں ہوں گی......" اس نے اپنی گاڑی کی طرف اشارہ کیا جس پر پولیس کا کوئی نشان وغیرہ نہیں تھا۔ نمبر پلیٹ بھی عام گاڑیوں والی تھی۔

"نہیں...... ہم اپنی ہی گاڑی میں چلیں گے......" منیر اپنے مخصوص بے لچک لہجے میں بولا۔

"ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی...... میں آپ لوگوں کے ساتھ آ جاتا ہوں"۔ نثار

ملک نے بلا تامل کہا......

وہ چاروں عالیہ کی گاڑی میں جا بیٹھے ڈرائیونگ سیٹ عامر نے سنبھالی۔ عالیہ بھی آگے ہی اپنے بھائی کے برابر بیٹھ گئی تاکہ راستہ صحیح طور پر دیکھ سکے۔ نثار ملک اور منیر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ ان کی گاڑی سست رفتاری سے آگے چلنے لگی اس کے پیچھے پولیس جیپ تھی اور اس سے پیچھے پولیس کی سادہ کار...... وہ سب چل تو پڑے تھے لیکن درحقیقت کسی کو بھی نہیں معلوم تھا کہ انہیں جانا کہاں ہے؟

اس گلی سے نکلنے کے بعد نثار ملک نے ملائمت سے پوچھا۔ "عالیہ بی بی! کیا آپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ وہ گلی کون سی ہے جہاں قاتل اس وقت موجود ہے؟"

"نہیں......" عالیہ متذبذب سے لہجے میں بولی۔ "میں گلی نہیں پہچان سکی ہوں...... لیکن علاقہ یہی ڈیفنس کا ہی معلوم ہوتا ہے...... چاروں طرف بڑے بڑے اور عالیشان مکانات موجود ہیں"۔

"اوہ...... پلیز...... گلی کو پہچاننے کی کوشش کیجئے۔ اس طرح تو بڑی مشکل ہو جائے گی"۔ نثار ملک مضطربانہ سے لہجے میں بولا...... "آپ لوگ تو ڈیفنس میں ہی رہتے ہیں......"

"وہ تو ٹھیک ہے......" منیر اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ لیکن ڈیفنس کوئی مختصر سا علاقہ تو نہیں...... ضروری نہیں کہ ہر گلی ہماری دیکھی ہوئی ہی ہو اور پھر عالیہ کو اپنی اس کیفیت میں ہر چیز روزِ روشن کی طرح واضح تو نہیں نظر آ رہی ہوتی......"

انسپکٹر نثار ملک نے گہری نظر سے منیر کی طرف دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں...... اس کی معلومات کے مطابق منیر کچھ عرصہ پہلے تک اخبار نویس ہوا کرتا تھا...... اور اب تو وہ ایک خاص سماجی حیثیت کا مالک بھی تھا۔ شاید اپنی دوہری وجوہات کی بناء پر وہ پولیس والوں کو کچھ زیادہ خاطر میں نہیں لاتا تھا...... فطری سی بات تھی کہ انسپکٹر نثار ملک کو اس قسم کے لوگ زیادہ اچھے نہیں لگتے تھے لیکن فی الوقت اس نے اپنے محسوسات چھپائے رکھنے میں ہی مصلحت سمجھی۔ ویسے بھی وہ منیر کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا...... اور یہ اس کی عادت تھی کہ جن لوگوں کے بارے میں وہ زیادہ نہیں جانتا تھا ان کے بارے

میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کرتا تھا۔

وہ ایک بار پھر تحمل اور رسان کے ساتھ عالیہ سے مخاطب ہوا......"گلی کی کچھ نشانیاں بتایئے...... ذرا گردوپیش پر غور کرنے کی کوشش کیجئے"۔

"میں پوری کوشش کر رہی ہوں......" عالیہ کی آواز گویا کہیں دور سے آئی۔ "مگر کچھ پتا نہیں چل رہا...... بس اتنا احساس ہو رہا ہے کہ وہ کوئی عقبی گلی ہے...... ڈیفنس کی بہت سی گلیاں ایسی ہیں...... بعض مکانات پچھلی طرف سے بھی بہت شاندار معلوم ہو رہے ہیں...... اوہ...... اب وہ سامنے والی ایک گلی میں مڑ گیا ہے...... گلی میں بالکل سناٹا ہے...... وہ ایک مکان کو بہت غور سے دیکھ رہا ہے۔ اس مکان میں ستون ہے...... اونچا سا گیٹ ہے...... رنگ سفید ہے...... وہ اس مکان سے بھی آگے بڑھ گیا ہے......" عالیہ یوں خاموش ہو گئی جیسے کچھ دیر شدید مشقت کر کے ستانا چاہتی ہو۔ اس کے سفید چاندنی سی رنگت پر پسینے کی ننھی ننھی شفاف بوندیں ابھر آئی تھیں اور گاڑی میں پھیلی ہوئی مدھم سی روشنی میں کسی چنبیلی پر جمی ہوئی شبنم کی طرح جھلملا رہی تھیں۔

"اوہ......!" دفعتہً عالیہ نے یوں گہری سانس لی گویا کسی نے اس کے پہلو میں کچھ چبھو دیا ہو۔

"کیا ہوا؟" نثار ملک نے بے تابی سے اگلی سیٹ کی طرف جھکتے ہوئے پوچھا۔

"اس شخص نے اپنے خنجر سے اپنی کلائی زخمی کر لی ہے......" عالیہ سرسراتی ہوئی سی آواز میں بولی...... "خون بہتا ہوا اس کے ہاتھ تک آ رہا ہے...... اس کا ہاتھ خون میں رنگ گیا ہے...... اف خدایا......!" عالیہ نے گویا کراہیت سے جھرجھری سی لی "وہ...... وہ اپنا خون چاٹ رہا ہے...... درندوں کی طرح...... اس نے اپنا ہاتھ چاٹ کر صاف کر لیا ہے...... اور اب اپنے زخم پر ہونٹ رکھ لئے ہیں...... وہ اپنے زخم کو چوس رہا ہے اور اب اس نے اپنے زخم سے ہونٹ ہٹا لیے ہیں...... حیرت ہے...... اس کے زخم سے خون بہنا بند ہو چکا ہے......"

"نہایت اذیت پرست شخص معلوم ہوتا ہے......" انسپکٹر نثار ملک نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا۔

"اور اب وہ گلی کے کونے پر...... ایک پرانے اجاڑ سے مکان کے سامنے رک گیا ہے...... اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی ہے...... وحشیانہ چمک...... جیسے کوئی درندہ اپنی منزل پر پہنچ گیا ہو......" عالیہ کی آواز ایک بار پھر گویا بہت دور سے آ رہی تھی اور رات کے سناٹے میں انسپکٹر نثار ملک جیسے باحوصلہ اور نڈر پولیس آفیسر کے اعصاب بھی مرتعش سے ہونے لگے تھے!

○---------☆---------○

عالیہ نے خوابناک سے لہجے میں بات جاری رکھی...... "یہ اس علاقے کا سب سے پرانا مکان معلوم ہوتا ہے...... اس کی ساخت بھی قدیم طرز کی ہے۔ دو منزلہ مکان ہے۔ اس کے بالائی کمرے گول ہیں اور ان کے سامنے بالکونیاں بھی گول ہی ہیں۔ اس مکان پر مدت سے رنگ و روغن نہیں ہوا۔ دیواروں پر سیاہی سی جمی ہے۔ کہیں کہیں سے پلستر بھی اکھڑا ہوا ہے۔ لان پر گھاس اور پودے جھاڑ جھنکار کی طرح بڑھے ہوئے ہیں"۔ وہ خاموش ہو گئی۔

"کیا قاتل یہیں جانے کا ارادہ رکھتا ہے؟" نثار ملک نے پوچھا۔

"ہاں...... وہ اسی مکان میں جائے گا"۔

"ممکن ہے یہاں کوئی رہتا ہی نہ ہو؟" نثار ملک کے لہجے میں امید جھلک آئی۔

"بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے جیسے اس مکان میں کوئی نہیں رہتا...... لیکن ایک نوجوان اور حسین مگر بدنصیب بیوہ یہاں رہتی ہے...... وہ ایک بکھرے ہوئے خاندان کی فرد ہے جس کے کچھ لوگ ملک سے باہر ہیں...... کچھ دوسرے شہروں میں منتشر ہیں...... یہ انہی خاندانوں میں سے ایک خاندان ہے جو دولت اور اثاثوں کے مسئلوں پر یا دیگر جذباتی تنازعوں پر بری طرح بکھر جاتے ہیں۔ منتشر ہو جاتے ہیں...... وہ عورت اپنے کمرے میں بہت مدھم روشنی دینے والا نائٹ بلب جلائے بیڈ پر بیٹھی چپکے چپکے رو رہی ہے......"

"کیا وہ گھر میں بالکل اکیلی ہے؟ کوئی نوکر وغیرہ بھی نہیں ہے؟" نثار ملک نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"وہ بالکل اکیلی ہے...... نوکر بھی ایک ایک کر کے اسے چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ کیونکہ اس کے پاس نوکروں کو تنخواہیں دینے کے لئے پیسے نہیں رہے تھے۔ وہ لاکھوں کے اس مکان کی مالک ہے لیکن اس کے پاس نقد کچھ نہیں رہا...... وہ مکان بکنے کا انتظار کر رہی ہے...... وہ مالی اعتبار سے پریشان ہے اور...... اور...... لگتا ہے کہ قاتل کو بھی کسی طرح اس کے بارے میں معلومات حاصل ہیں...... وہ گھوم کر اسی مکان کے پیچھے جا رہا ہے......"

"آپ کو کچھ اندازہ ہوا کہ یہ مکان کس گلی میں ہے؟ کس طرف واقع ہے؟"

"نہیں...... اس پر کسی بھی جگہ کوئی نمبر وغیرہ نہیں لکھا ہوا ہے...... کوئی نیم پلیٹ نہیں ہے...... اس کے محل وقوع کے بارے میں کچھ اشارے میرے سامنے آ رہے ہیں مگر نہایت غیرواضح اور ناقابلِ فہم ہیں...... کچھ چیزوں کی اچٹی اچٹی سی جھلکیاں نظر آتی ہیں مگر فوراً ہی غائب ہو جاتی ہیں...... بہرحال یہ واضح ہو گیا ہے کہ یہ مکان ہے ڈیفنس میں ہی...... اور یہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے"۔

"لیکن اس طرح بغیر کسی اندازے کے گلیوں میں پھرتے پھرتے تو شاید ہم اس مکان تک نہ پہنچ سکیں"۔ نثار ملک تشویش سے بولا۔

عالیہ کے پاس شاید اس کا کوئی جواب نہیں تھا اس لئے وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "اوہ...... وہ شخص پچھلی دیوار پھاند کر اندر کود گیا ہے...... وہ جھاڑ جھنکاڑ میں سے گزرتا ہوا عقبی دروازے کی طرف بڑھ رہا ہے...... اس کا انداز بالکل ویسا ہی ہے جیسا شکار پر نکلے ہوئے کسی درندے کا ہوتا ہے"۔

"عالیہ بی بی! آپ اپنے ذہن پر زور دیجئے' اپنی وجدانی صلاحیتوں سے زیادہ کام لینے کی کوشش کیجئے......" نثار ملک مضطربانہ لہجے میں بولا۔ "کہیں ہم اس مکان تک پہنچنے میں لیٹ نہ ہو جائیں"۔

منیر نے کافی دیر کی خاموشی کے بعد زبان کھولی...... وہ گمبھیر لہجے میں نثار ملک سے مخاطب ہوا۔ "آپ میرے بیوی کے ذہن پر دباؤ بڑھانے کی کوشش نہ کریں۔ وہ اس حالت میں پہلے ہی کافی ہیجان اور اعصابی توڑ پھوڑ کا شکار ہوتی ہے۔ اس کے ذہن پر جتنا

دباؤ ہوتا ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا...... زیادہ پیچھے پڑنے سے اس کے ذہن کو نقصان پہنچ سکتا ہے"۔

نثار ملک نے ایک بار پھر گہری نظروں سے منیر کی طرف دیکھا لیکن بولا کچھ نہیں۔

عالیہ گویا ان دونوں کی موجودگی سے بے خبر بدستور اندھیرے میں گھور رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اب پہلے سے زیادہ پسینے کی بوندیں جھلملانے لگی تھیں پھر اس نے خفیف سی جھرجھری لی اور مرتعش آواز میں بولی۔ "اس نے لوہے کے کسی اوزار سے عقبی دروازہ کھول لیا ہے...... یہ کچن کا دروازہ ہے...... اندر اندھیرا ہے...... وہ دروازہ ذرا سا کھول کر اندر جھانک رہا ہے...... اور اب وہ اندر پہنچ گیا ہے...... وہ پیروں میں کینوس کے جوتے پہنے ہوئے ہے اس کے چلنے سے ذرا سی بھی آہٹ پیدا نہیں ہو رہی...... وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا ہے......" وہ ایک بار پھر خاموش ہو گئی اس کی سانس قدرے تیز چل رہی تھی۔

"کیا ہوا......؟ اب کیا ہوا؟" نثار ملک نے بے تابی سے پوچھا۔

"منظر میری آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو چکا ہے...... سب کچھ جیسے اندھیرے میں چلا گیا ہے......" عالیہ بڑبڑائی۔

"اوہ...... یہ تو بہت بُرا ہوا"۔ نثار ملک ہاتھ ملنے لگا۔ "لیکن آپ اس طرف سے توجہ نہ ہٹائیں اپنی سوچ اسی نقطے پر مرکوز رکھیں مجھے امید ہے منظر دوبارہ ضرور نظر آئے گا آپ کوشش جاری رکھئے"۔

"میں پوری کوشش کر رہی ہوں"۔ عالیہ بے بسی سے بولی۔ منیر نے ایک بار پھر ناگواری سے نثار ملک کی طرف دیکھا لیکن نثار ملک نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ گاڑی سست رفتاری سے بڑھتی چلی جا رہی تھی کبھی اس گلی میں کبھی اس گلی میں...... عامر کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ بلا تخصیص چھوٹی اور نیم تاریک گلیوں میں گاڑی چلاتا رہے۔

چند لمحے کے اعصاب شکن سکوت کے بعد عالیہ اپنی سیٹ پر کسمسائی اور یوں کراہ اُٹھی جیسے کوئی بچہ نیند میں رونے لگا ہو۔ منیر نے عقب سے اس کے کندھوں پر ہاتھ ٹکا

دیئے اپنے نرم و نازک کندھوں پر منیر کے مضبوط ہاتھوں کا سہارا پا کر گویا اسے قرار سا آ گیا وہ اپنے جسم کو ذرا ڈھیلا چھوڑتے ہوئے ایک بار پھر خوابناک سے لہجے میں بولی۔ "منظر ایک بار پھر میری آنکھوں میں روشن ہو گیا ہے........ اور راستے کے بارے میں بھی میرا ذہن کچھ رہنمائی دینے لگا ہے........ یہ اگلی بڑی سڑک کراس کرنے کے بعد دائیں ہاتھ کی پہلی گلی میں مڑ جائیں........"

عامر نے اس کی ہدایت پر عمل کیا بڑی سڑک پر مرکری لائٹس روشن تھیں لیکن دائیں ہاتھ کی گلی میں انہیں ایک بار پھر ملگجے اندھیرے کا سامنا تھا عالیہ نے مبہم لہجے میں صرف اتنا کہا۔ "سیدھے چلتے رہو........"

اس کے پسینے میں بھیگے ہوئے حسین چہرے پر تکلیف دہ سی کشمکش کے آثار تھے اور اس عالم میں وہ انسپکٹر نثار ملک کو بے حد دلکش دکھائی دے رہی تھی وہ ٹیلی پیتھی' روحانی قوتوں یا اس قسم کی دوسری چیزوں پر کوئی خاص توجہ نہیں رکھتا تھا لیکن عالیہ سے ملنے کے فوراً بعد اسے ان باتوں پر اعتبار سا آنے لگا تھا۔ عالیہ کے بارے میں بھی اس نے جو کچھ سن رکھا تھا اس کے بارے میں پہلے اس کا خیال یہی تھا کہ اس میں مبالغہ آمیزی اور افسانہ طرازی زیادہ ہو گی مگر اب اس کا دل کہہ رہا تھا کہ قدرت نے اس عورت کو درحقیقت اس سے بھی زیادہ صلاحیوں سے نوازا ہوا تھا لیکن وہ ان خزانوں کو پوری طرح دریافت نہیں کر سکی تھی اسے ان علوم کے زیادہ بڑے ماہرین کی مدد کی ضرورت تھی وہ اس عورت سے بہت کام لے سکتے تھے اسے کچھ سے کچھ بنا سکتے تھے وہ تو اپنی صلاحیتوں کے خزانے سے صرف چند موتی نکال پائی تھی اور وہی دنیا کو مبہوت کرنے کے لئے کافی تھے ایک لمحے کے لئے نثار ملک کو خود بھی اپنے آپ پر حیرت ہوئی کہ وہ اس عورت کے بارے میں اتنی اپنائیت سے کیوں سوچ رہا تھا؟

دفعتہ" وہ ایک بار پھر کراہ اٹھی یہ مدھم سی کراہ کچھ ایسی درد آمیز تھی کہ نثار ملک ایک مضبوط دل پولیس آفیسر ہوتے ہوئے بھی اندر ہی جھرجھری سی لے کر رہ گیا بیشتر تھانوں کی طرح اس کے تھانے میں بھی رات دن بہت سے ملزموں اور مجرموں کی بے دردی سے پٹائی ہوتی تھی ان میں سے بعض کے لئے وہ خود حکم دیتا تھا اور بعض کو اس کا

ماتحت اسٹاف خود ہی مستعدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے "سیدھا" کرنے کی کوشش میں مصروف رہتا تھا۔ تختہ مشق بننے والے ان لوگوں کی چیخ و پکار اور دلخراش آوازوں کا نثار ملک پر کوئی خاص اثر نہیں ہوتا تھا کبھی کبھی تو اس کے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی تھی اور وہ اطمینان سے سر جھکائے کسی ایف آئی آر وغیرہ کے مطالعے میں منہمک رہتا تھا کبھی کبھی کوئی ملزم زیادہ ہی آسمان سر پر اٹھاتا تھا تو وہ لوگ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیتے تھے اور اس وقت ہی نکالتے تھے جب اندازہ ہو جاتا تھا کہ اب وہ تمام کردہ ناکردہ گناہوں کا اعتراف کرنے کے لئے تیار ہے۔

لیکن اس مدھم سی کراہ نے نثار ملک کو اندر ہی اندر جھرجھری لینے پر مجبور کر دیا تھا یہ اس نازک طبع جانور کی کراہ معلوم ہوتی تھی جو بہت دیر سے کسی شکاری کے پھندے میں پھنسا رہنے کے بعد نڈھال ہو چکا ہو اپنے آپ کو تن بہ تقدیر چھوڑ چکا ہو اور موت کا منتظر ہو۔ بچپن میں نثار ملک اسکاؤٹس میں شامل تھا اسے کئی بار چھانگا مانگا کے جنگلوں میں جا کر کیمپ لگانے کا موقع ملا تھا وہاں وہ لوگ جنگلی خرگوش کا شکار کرنے کے لئے جگہ جھاڑیوں میں آہنی شکنجے چھپا دیتے تھے صبح جب وہ لوگ شکنجوں کو دیکھنے جاتے تو کسی نہ کسی شکنجے میں رات کو کوئی خرگوش پھنس چکا ہوتا تھا وہ انہیں دیکھ کر حلق سے ایسی ہی آوازیں نکالتا تھا۔ محض اس آواز کی وجہ سے نثار نے اس مشغلے میں حصہ لینا چھوڑ دیا تھا پولیس کی چند سال کی سروس کے بعد وہ بے حد سخت دل ہو چکا تھا مگر اس آواز کی یاد آج بھی اسے اندر سے بے چین کر دیتی تھی۔

عالیہ نے اپنی قریبی دروازے سے ٹیک لگائی تھی منیر اب بھی ہولے ہولے اس کا کندھا تھپک رہا تھا۔ وہ دسمبر کی ایک سرد رات تھی کہر پڑ رہی تھی اور ہوا میں بے پناہ نمی محسوس ہو رہی تھی۔ جس کی وجہ سے کار کے شیشے دھندلائے جا رہے تھے۔ نثار ملک نے ایک بار کھڑکی کا شیشہ ذرا نیچے کر کے ہاتھ نکال کر دیکھا اسے نمی کا لمس محسوس ہوا شاید بہت ہلکی پھوار بھی پڑنے لگی تھی وہ دل ہی دل میں دعا کرنے لگا کہ بارش نہ ہو ایسی راتوں میں بارش سے کام اور بھی دشوار ہو جاتے تھے۔

دفعتہ" عالیہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ملگجے اندھیرے میں دیکھ رہی

تھی نثار ملک پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا اور اس کے بولنے کا منتظر تھا ایک لمحے کے لئے شک کا سایہ بھی اس کے ذہن میں لہرایا۔ کہیں یہ سب کچھ سعئی لاحاصل تو نہیں؟ کہیں اتنی بھاگ دوڑ اور تگ و دو کا صلہ صرف یہ نہ ملے کہ ساتھی ایک عرصے تک اس کا مذاق اڑاتے رہیں اور ماتحت پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو اس کے بے وقوف بننے کا قصہ سنا سنا کر قہقہے لگاتے رہیں لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے شک کو ذہن سے جھٹک دیا۔ عالیہ کے بارے میں سنے ہوئے بہت سے واقعات اسے یاد آ گئے تھے........ اور پھر سچائی تو اس عورت کے اجلے اجلے چہرے پر موجود تھی وہ صدقِ دل سے پولیس کی مدد کرنا چاہتی تھی لیکن اگر کسی مرحلے پر اس کی غیبی قوتیں اس کا ساتھ چھوڑ جاتیں' ان کی رسائی محدود ہو جاتی تو اس میں اس کا کوئی قصور نہ ہوتا۔

وہ بیٹھی بیٹھی سی آواز میں بولی۔ "وہ اس عورت کے کمرے تک پہنچ چکا ہے........ دروازے کے قریب دیوار سے چپکا کھڑا ہے........ اس عورت نے اب چپکے چپکے رونا بند کر دیا........ وہ اٹھ کر پرانی سے ڈریسنگ ٹیبل تک گئی ہے........ ڈریسنگ ٹیبل پر ایک چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر رکھا ہے........ وہ جھک کر اس میں کوئی کیسٹ لگا رہی ہے........ کمرے میں کسی المیہ سے نغمے کے بول ابھرنے لگے ہیں........ آواز بہت نیچی ہے........ اور ٹیپ ریکارڈ بھی زیادہ اچھا نہیں........ وہ عورت ابھی تک ٹیپ ریکارڈ پر جھکی ہوئی ہے........ اسے اپنے لباس کا بھی کچھ ہوش نہیں........ بہت نامکمل سا لباس ہے اس کے جسم پر........ بیڈ پر تو وہ ایک بڑی سی چادر میں لپٹی بیٹھی تھی مگر........ مگر اب........ اوہ........ وہ شخص کمرے میں جھانک رہا ہے........ عورت کے عقب سے دیکھ رہا ہے........ مگر وہ بدستور ٹیپ ریکارڈر پر جھکی ہوئی ہے........ وہ اسے زیرِ لب گندی گالیاں دے رہا ہے........ معلوم نہیں کیوں اور اب وہ اپنے خنجر کی دھار دیکھ رہا ہے........ اور اب وہ کمرے میں داخل ہو گیا ہے........"

عالیہ نے ایک بار پھر تھکے تھکے سے انداز میں دروازے سے ٹیک لگا لی جیسے اس کی قوت برداشت جواب دے گئی ہے۔ نثار ملک بے تابانہ انداز میں اپنے ہولسٹر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ "عالیہ بی بی! آپ جاننے کی کوشش کیجئے وہ مکان کہاں ہے؟"

"میں پوری پوری کوشش کر رہی ہوں"۔ عالیہ بے بسی سے بولی۔ "وہ یہیں کہیں........ بہت قریب ہے........ عامر بائیں طرف موڑ لو........"

لیکن اس گلی میں بھی انہیں اپنا مطلوبہ مکان دکھائی نہ دیا اس دوران پیچھے آتی ہوئی پولیس جیپ کا سائرن آن ہو گیا اور سرخ بتی گھومنے لگی نثار ملک نے فوراً گاڑی رکوائی اور کھڑکی سے سر نکال کر جیپ میں موجود اپنے ماتحتوں کو باآواز بلند ڈانٹا۔ "یہ کس گدھے نے سائرن اور فلیشر آن کیا ہے؟ تم لوگ چاہتے ہو وہ دور سے ہی آواز سن کر بھاگ جائے؟ بند کرو اسے........"

سائرن اور فلیشر آف ہو گیا تو گاڑیاں ایک بار پھر آگے بڑھنے لگیں پھوار نے اب ہلکی بارش کی صورت اختیار کر لی تھی اور کہر کچھ چھٹنے لگی تھی گاڑیوں کے وائپر حرکت میں آ چکے تھے نثار ملک اور منیر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ملگجے اندھیرے میں گلی میں دونوں طرف دیکھ رہے تھے کہ شاید عالیہ کی بتائی ہوئی نشانیوں والا مکان نظر آ جائے۔

"بائیں طرف موڑ لو........" عالیہ بڑبڑائی۔ "میرا دل کہہ رہا ہے کہ وہ مکان اس گلی میں ہے"۔

عامر نے رفتار کچھ بڑھاتے ہوئے گاڑی اس گلی میں موڑ لی۔ وہ اس گلی کے دوسرے کونے تک پہنچے تو عالیہ آخری مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہیجان زدہ لہجے میں بول اٹھی۔ "یہی ہے........ یہی ہے وہ مکان........"

عامر نے یکدم بریک لگایا۔ گلی نیم شکستہ تھی سڑک کے پتھر ٹائروں تلے چرچرا اٹھے۔

"کیا قاتل اس وقت بھی اندر موجود ہے؟" نثار ملک نے ریوالور ہولسٹر سے نکالتے ہوئے پوچھا۔

"میں کہہ نہیں سکتی........ وہ مجھے نظر نہیں آ رہا........ میں ڈسٹرب ہو چکی ہوں منظر میری نظروں سے غائب ہو چکا ہے........" عالیہ نے جواب دیا۔

نثار ملک نے گاڑی سے اترنے سے پہلے مکان کا جائزہ لیا اس کا بیشتر حصہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا مدھم روشنی میں وہ جس حد تک بھی جائزہ لے سکا اسے عالیہ کی بتائی ہوئی بیشتر نشانیاں نظر آ گئیں بالائی کمرے گول ساخت کے تھے اور ان کے آگے بالکونیاں بھی گول

تھیں گیٹ پرانا' زنگ آلود اور نیم شکستہ تھا دیواروں پر کہیں کہیں سیاہی اور کائی سی جمی نظر آ رہی تھی۔

نثار ملک کار سے اتر گیا۔ عالیہ' منیر اور عامر گاڑی کے اندر ہی رہے نثار بولا۔ "آپ لوگ گاڑی پچھلی گلی میں لے جائیں اور کسی محفوظ گوشے میں کھڑی کر لیں"۔

عامر نے گاڑی آگے بڑھا دی گھوم کر وہ مکان کی پشت پر آ گئے عامر نے ایک دوسرے مکان کی دیوار کے قریب تاریکی میں گاڑی لے جا کر روکی اور تمام بتیاں بجھا دیں۔ گاڑی کے دروازے انہوں نے احتیاط سے مقفل کر لئے اور شیشے چڑھا لئے۔

مکان کی عقبی دیوار زیادہ بلند تھی ایک چھوٹا سا سلاخ دار گیٹ بھی موجود تھا اور اندر جھاڑ جھنکار پھیلا ہوا نظر آ رہا تھا مکان پرانی طرز کے ان مکانوں میں سے تھا جن میں تقریباً" چاروں طرف ہی لان موجود ہوتا ہے۔

چند لمحے بعد انہوں نے اے ایس آئی نور حیات اور رب نواز کو پیدل عقبی گلی میں آتے دیکھا نور حیات اس مکان کی عقبی دیوار کے ایک سرے پر ملگجے اندھیرے میں کھڑا ہو گیا اور رب نواز نے دوسرا کونا سنبھال لیا ان کے ہاتھوں میں بھی ریوالور تھے انہوں نے اندر جانے کی کوشش کی نثار ملک نے انہیں اس کا حکم نہیں دیا تھا۔

نثار ملک اور اس کا اسسٹنٹ نیاز چودھری سامنے کی طرف سے مکان کی دیوار پھاند کر اندر پہنچے۔ بیرونی دروازہ اور تمام کھڑکیاں مضبوطی سے بند تھیں کھڑکیوں کی حالت بتا رہی تھی کہ انہیں تو ایک مدت سے کھولنے کی زحمت ہی نہیں کی گئی تھی۔ ان پر گرل بھی لگی ہوئی تھی۔ اندر پہنچنا ایک مسئلہ تھا لیکن نثار ملک اس مسئلے کا حل ساتھ لے کر چلا تھا اس کے پاس اسکریو ڈرائیور سے مشابہ ایک مضبوط اوزار موجود تھا جس سے دروازے کا تالا کھولا جا سکتا تھا وہ چاہتا تھا کہ اس کام میں زیادہ آواز پیدا نہ ہو اسی لئے اسے اندازے سے زیادہ دیر لگ گئی۔

نیاز چودھری تو اس دوران بے تاب ہو کر دروازہ پیٹنے کے بارے میں سوچنے لگا اس کا خیال تھا کہ اس طرح مجرم بوکھلا کر ایسا طرزِ عمل اختیار کرتے تھے کہ سیدھے پولیس کے ہاتھوں میں آ جاتے تھے لیکن نثار ملک نے اسے دروازہ پیٹنے سے باز رکھا انہیں کسی چور

ڈاکو کو نہیں بلکہ ایک ایسے مجرم کو پکڑنا تھا جس کی حرکات و سکنات کسی خونخوار اور مکّار درندے سے ملتی جلتی تھیں۔

دروازے میں نصب شدہ تالے کی پلیٹ اکھاڑنے کے بعد اسے کھولنا ایک سیکنڈ کا کام تھا دروازہ آہستگی سے کھول کر نثار ملک خود نہایت محتاط انداز میں اندر داخل ہوا نیاز چودھری کو اس نے ہدایت کی........ "تم باہر ہی رہنا اور تمام کھڑکیوں پر نظر رکھنا وہ کسی کھڑکی سے نکل بھاگنے نہ پائے........ مارنا نہیں ہے۔ ٹانگ میں گولی مار کر روکنے کی کوشش کرنا اگر سرینڈر کر جائے تو گولی مت چلانا"۔

نیاز چودھری نے اثبات میں سر ہلایا اور باہر ہی رک گیا نثار ملک نے دروازہ اپنے عقب میں بند کر دیا وہ جس کمرے میں کھڑا تھا وہاں ملگجا اندھیرا تھا۔ فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اس گھر کے درودیوار سے عجیب ویرانی اور وحشت ٹپک رہی تھی۔ نثار ملک کو قطعاً" اندازہ نہیں تھا کہ چمکتے دمکتے آراستہ و پیراستہ آباد گھروں کے درمیان کوئی گھر ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

وہ محتاط انداز میں آگے بڑھا وہ پوری پوری کوشش کر رہا تھا کہ اس کے قدموں کی آہٹ پیدا نہ ہونے پائے لیکن وہ بھاری بھرکم پولیس شوز پہنے ہوئے تھا اس کی تمام تر احتیاط کے باوجود ہلکی سی ٹک ٹک کی آواز پیدا ہو رہی تھی۔

کمروں کے دروازے کھلے ہوئے تھے اس ہال نما کمرے سے گزر کر وہ جس کمرے میں پہنچا وہ غالباً" کسی زمانے میں ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ راہداری میں گرد آلود سا ایک زرد بلب روشن تھا اور کچھ روشنی اس کمرے میں پہنچ رہی تھی۔ یہ دیکھنا مشکل نہیں تھا کہ وہاں پڑا ہوا فرنیچر کس قدر پرانا ہو چکا تھا اور قالین کتنا گندا تھا۔

نثار کتنے ہی کمروں سے گزرا سب ویران اور اجاڑ تھے۔ سب میں برائے نام ہی فرنیچر موجود تھا اور وہ بھی بہت پرانا اور ناکارہ سا۔ نثار ملک کو اس مکان کی وسعت اور ویرانی دیکھ کر عجیب سا احساس ہو رہا تھا ایک طرف اتنے کمرے اجاڑ پڑے تھے کوئی رہنے والا نہیں تھا ایک طرف وہ بھی مکان تھے جن کے ایک ایک کمرے میں دس دس افراد کندھے سے کندھا جوڑ کر سوتے تھے لیکن اپنی کشادگی اور قدروقیمت کے باوجود اس مکان

پر بدنصیبی کے سائے کتنے گہرے تھے۔

پھر اچانک ہی وہ اس بیڈ روم میں جا پہنچا جس کا نقشہ عالیہ نے کھینچا تھا اس نے تیزی سے ریوالور چاروں طرف گھمایا مگر کمرے میں کوئی چیز متحرک نہیں تھی صرف کیسٹ پلیئر پر ایک افسردہ سی غزل کے بول کمرے میں بکھر رہے تھے۔

عالیہ نے ہر بات لفظ بہ لفظ درست بتائی تھی! وہ شخص یہاں آیا ضرور تھا مگر اب وہ یہاں نہیں تھا نثار ملک نے میلے پردے تک کھینچ کھینچ کر دیکھے ان کے عقب میں بھی کوئی چھپا ہوا نہیں تھا۔ وہ شخص اب نہ جانے کہاں تھا مگر اپنی درندگی کے نشانات اس کمرے میں چھوڑ گیا تھا۔

عورت فرش پر آڑی ترچھی پڑی تھی۔ اس کے لباس کو تار تار کر دیا گیا تھا خنجر سے اسے ذبح کر دیا گیا تھا اور پورے جسم پر ہی خنجر سے جانے کتنے وار کیے گئے تھے۔ نثار ملک کا اندازہ تھا کہ درندگی کا یہ عمل صرف چند لمحوں میں مجنونانہ اور مشینی انداز میں مکمل کیا گیا تھا۔ قاتل نے ایک بار خنجر بلند کیا تھا تو بس پھر وار کرتا ہی چلا گیا تھا عورت کے زخموں سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔

زندگی میں وہ یقیناً" خوبصورت اور بھرے بھرے جسم کی مالک رہی ہو گی مگر متشددانہ موت نے چند لمحوں کے اندر اندر اسے کریہہ المنظر بنا دیا تھا وہ اپنے ہی خون میں بری طرح لتھڑی ہوئی تھی اس نے یقیناً" اپنے آپ کو بچانے کی بہت کوشش کی تھی اور اس کوشش میں تن نازک پر اور بھی زخم کھائے تھے کلائیوں پر اس طرح گھاؤ آئے تھے کہ گوشت کٹ کر لٹکنے لگا تھا خوبصورت ریشمی بھورے بال گاڑھے خون میں لتھڑ کر گردن سے چپک گئے تھے۔ نثار ملک ایک پولیس والا تھا اپنی مختصر سی مدت ملازمت میں وہ کئی لاشیں دیکھ چکا تھا درندگی کے بہت سے مظاہرے اس کی نظروں سے گزرے تھے مگر یہ نظارہ اس کی آنکھوں پر بھی خراشیں سی ڈال رہا تھا۔

اس نے کمرے کی بتیاں روشن کر دیں اور لاش کی طرف سے نظر ہٹالی۔ اسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ قاتل ابھی تک مکان میں ہی موجود تھا یا ان کے آنے سے پہلے نکل چکا تھا۔ وہ کمرے سے نکلنے کے لئے پلٹا تو دروازے کے پردے پر اسے خون لگا ہوا نظر آیا۔

اس نے رک کر پردے کو چٹکی میں پکڑ کر قریب سے دیکھا۔ قاتل نے جاتے وقت اس میلے پردے سے اپنا خون آلود ہاتھ اور خنجر صاف کیا تھا۔

وہ ریوالور مضبوطی سے پکڑے' ٹریگر پر انگلی جمائے کمرے سے نکلا۔ اب کوئی کمرہ باقی نہیں تھا جہاں وہ قاتل کو تلاش کرتا۔ عقبی لاؤنج کے ایک سرے پر کچن تھا۔ وہ پنجوں کے بل کچن کی طرف بڑھا۔ کچن کا دروازہ چوپٹ کھلا تھا۔ اس نے اندر جھانکا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ عقبی دروازہ بھی کھلا تھا۔

عقبی دروازے پر پہنچ کر اس نے باہر جھانکا۔ سامنے اور دائیں بائیں جھاڑ جھنکاڑ پھیلا ہوا تھا جس کا صحیح طور پر جائزہ لینا بھی مشکل تھا۔ وہاں تقریباً" اندھیرا ہی تھا۔ اس نے کچن کے سوئچ بورڈ کے تمام سوئچ آن کر دیئے لیکن عقبی لان پر کوئی بتی روشن نہ ہوئی۔ شاید اس طرف کوئی لائٹ سلامت ہی نہیں رہی تھی یا پھر اس کا سوئچ کہیں اور تھا۔ وہ چند لمحے آنکھیں سکیڑے اندھیرے میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ بے تحاشہ بڑھی ہوئی گھاس پھوس یا کسی باڑھ کی آڑ میں کوئی چھپا ہو سکتا تھا لیکن فی الوقت کہیں خفیف سی حرکت بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ واپس اندر آ گیا تاکہ سامنے کے دروازے سے نیاز چودھری کو بھی اسی طرف بلا لائے اور وہ دونوں مل کر ایک سرے سے دوسرے سرے تک لان کو کھنگال سکیں۔

عین اس وقت جبکہ نثار ملک مکان کے اندر تقریباً" وسط میں تھا' عقبی گلی میں نور حیات اور رب نواز ریوالور تھامے اپنی اپنی جگہ چوکنّے کھڑے تھے۔ رب نواز غیرارادی طور پر کچھ دور اندھیرے میں کھڑی سفید گاڑی کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔ جس میں عالیہ' عامر اور منیر موجود تھے۔ اسے بار بار عالیہ کی پیشگوئی یاد آنے لگتی تھی اور کسی انجانے خوف سے اس کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی تھیں۔

عالیہ نے کہا تھا کہ اسے آج قاتل کی تلاش کی مہم میں حصہ نہیں لینا چاہئے ورنہ وہ قاتل کے ہاتھوں شدید زخمی ہو جائے گا اور کوئی بعید نہیں کہ مارا ہی جائے۔ بہت سے پولیس والے ضعیف الاعتقاد ہوتے ہیں۔ رب نواز بھی ایک خالص اور کھرا پولیس والا تھا مگر وہ ضعیف الاعتقاد نہیں تھا۔ وہ اس پیشگوئی پر یقین کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ فرض شناس

اور نڈر بھی تھا۔ اس جیسے کھرے پولیس والے' محکمے میں بہت ہی کمیاب تھے۔ اس کی مردانگی' انا اور پیشہ ورانہ جرأت کو یہ گوارا نہیں تھا کہ محض موت کے خوف سے وہ اپنی ڈیوٹی سے پیچھے ہٹ جائے۔ اس کا خیال تھا کہ اب جب کہ اس قاتلانہ حملے کے بارے میں خبردار کر دیا گیا ہے تو اس کے لئے اپنا بچاؤ کرنا نسبتاً" آسان ہو گا۔

اس لئے وہ حد سے زیادہ چوکنا تھا۔ معاملہ اپنی جان کا تھا۔ وہ نہایت مستقبل مزاجی سے کھڑا بارش میں بھیگ رہا تھا لیکن اپنے ریوالور کو بھیگنے سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ زیادہ بھیگے ہوئے پرانے پولیس ریوالور کے جام ہونے کے امکان ہوتا تھا۔ وہ پوری کوشش کر رہا تھا کہ ریوالور کے مختلف حصوں میں پانی داخل نہ ہونے پائے لیکن اس کوشش میں اسے زیادہ کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ بارش لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔

انہیں کچھ نہیں معلوم تھا کہ اندر مکان میں نیاز چودھری اور نثار ملک کیا کر رہے ہیں۔ در و دیوار اور سبزے وغیرہ پر بارش پڑنے کی آواز کے سوا کوئی خفیف سی آواز بھی نہیں اُبھر رہی تھی۔ یہ سناٹا اعصابی تناؤ میں کچھ اور اضافہ کر رہا تھا۔

مزید ستم یہ ہوا کہ لائٹ چلی گئی۔ عقبی گلی میں تو پہلے بھی تقریباً" اندھیرا ہی تھا لیکن اردگرد کے مکانوں سے آتی ہوئی معمولی سی روشنی کے باعث کسی حد تک اجالے کا احساس تھا۔ اب وہ بھی ختم ہو گیا۔

نور حیات اور رب نواز دونوں' عقبی گیٹ پر نظر جمائے کھڑے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ قاتل نے اگر مکان سے نکلنے کی کوشش کی تو وہ گیٹ کے راستے ہی باہر آئے گا۔ شاید اسی لئے ان کی نظر ایک لمحے کے لئے چوک گئی۔ وہ دیوار پر نمودار ہوتے ہوئے اس دھندلے سے سائے کو نہیں دیکھ سکے جو بظاہر تاریکی ہی کا ایک حصہ نظر آ رہا تھا۔

عالیہ نے دور گاڑی میں بیٹھے ہوئے اس سائے کو دیکھ لیا۔ اس کا منہ کھلا۔ وہ چیخ کر رب نواز کو خبردار کرنا چاہتی تھی مگر اس کے حلق سے کوئی آواز برآمد نہ ہوئی۔ اگر وہ چیخنے میں کامیاب ہو جاتی تب بھی شاید اس کی آواز رب نواز تک مشکل سے ہی پہنچتی کیونکہ گاڑی کے تمام شیشے اور دروازے سے مکمل طور پر بند تھے۔ منیر نے اپنی بیوی کی کیفیت میں یہ تبدیلی دیکھ لی اور وہ غالباً" سمجھ بھی گیا کہ عالیہ کس کو خبردار کرنا چاہتی ہے

لیکن اس نے خود اس سلسلے میں کچھ کرنے کی بجائے ادھر سے منہ بھی پھیر لیا اور آگے جھک کر اپنے مخصوص نیم مشفقانہ اور نیم محبوبانہ انداز میں عالیہ کا کندھا تھپکنے لگا۔ انداز کچھ ایسا ہی تھا جیسے یہ زبانِ خموشی کہہ رہا ہو......... "جانِ من! تم کیوں اپنے آپ کو ہلکان کرتی ہو؟ جو ہونا ہے وہ تو ہو کر ہی رہے گا۔ یہ تمہیں بھی معلوم ہے......... تو پھر اپنے اعصاب چٹخانے سے کیا فائدہ؟"

رب نواز نے سائے کو اس وقت دیکھا جب وہ دیوار سے چھلانگ لگا چکا تھا۔ وہ رب نواز سے صرف تین چار قدم کے فاصلے پر تھا۔ سادہ لباس والے رب نواز نے ایک گھٹنے کے بل بیٹھتے ہوئے فوراً" ٹریگر دبایا مگر اس وقت اس کا دل دھڑکنا بھول گیا جب ریوالور کا ہیمر حرکت میں نہ آیا حالانکہ سیفٹی کیچ ہٹا ہوا تھا۔

بالآخر وہی ہوا تھا جس کا اسے اندیشہ تھا......... ریوالور جام ہو چکا تھا۔ سایہ ویسے تو بھاگنے کی فکر میں تھا مگر رب نواز کو فائر کرنے کی کوشش کرتے دیکھ کر وہ تیزی سے اس کی طرف جھپٹا۔ عالیہ نے دور سے اندھیرے میں لمبے سے خنجر کی جھلملاہٹ محسوس کر لی اور کرب زدہ سے انداز میں آنکھیں بند کر لیں۔

"مجھے پہلے ہی معلوم تھا......... میں نے پہلے ہی کہا تھا......... اس شخص نے میری بات نہیں مانی........" وہ مجروح سے لہجے میں بڑبڑائی۔

"یہ پولیس والے بھی عجیب ہیں........" اس لمحے منیر غصیلے انداز میں بڑبڑایا.........
"رات کے وقت مہم پر نکل رہے ہیں اور ان کے پاس ٹارچیں تک نہیں ہیں........"

گاڑی میں جس وقت یہ مکالمہ ہو رہا تھا اس وقت قاتل' رب نواز کے پہلو میں خنجر گھونپ چکا تھا۔ رب نواز نے نہایت جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی کھوپڑی پر ریوالور کا دستہ رسید کرنے کی کوشش کی مگر وہ جھکائی دے کر اپنے آپ کو بچا گیا۔ تب رب نواز نے اسے دبوچنا چاہا مگر اس کے جسم سے گویا جان ہی نکل گئی تھی۔ قاتل دوسرے ہی لمحے اس کی گرفت سے نکل گیا۔

عین ممکن تھا کہ وہ دوبارہ خنجر رب نواز کے پیٹ میں گھونپ دیتا مگر اس لمحے نور حیات نے اپنی جگہ سے فائر کیا۔ اس نے اندھیرے میں ہی کشمکش تو دیکھ لی تھی وہ فائر

کرنے سے محض اس لئے باز رہا کہ گولی رب نواز کو بھی لگ سکتی تھی۔ قاتل اور رب نواز کے درمیان ذرا سا فاصلہ ہوا تو اس نے فائر کیا۔

گولی یقیناً" قاتل کو لگی تھی کیونکہ فضا میں اس کی ہلکی سی چیخ ابھری تھی مگر یہ چیخ بھی کسی زخمی درندے کی غراہٹ سے مشابہ تھی۔ رب نواز زمین پر گر پڑا اور قاتل لنگڑاتا ہوا گلی کے کونے کی طرف دوڑا۔ تب نور حیات نے پے درپے اس پر فائر کئے حتیٰ کہ اس کا ریوالور خالی ہو گیا۔ قاتل کو یقیناً" کئی گولیاں لگی تھیں مگر وہ گرا نہیں بالآخر وہ عالیہ کی کار سے جا ٹکرایا۔

اس نے کھڑکی پر ہاتھ مار کر سہارے کے لئے کوئی چیز پکڑنے کی کوشش کی مگر ایسی کوئی چیز اس کے ہاتھ میں نہ آئی اور وہ گھٹنوں کے بل گرنے لگا۔ اس لمحے بجلی کوندی اور عالیہ بے ساختہ چیخ اٹھی۔ قاتل کا مسخ شدہ سا چہرہ اس کی کھڑکی کے شیشے پر تھا۔ پھر وہ چہرہ نیچے چلا گیا اور قاتل کا خون آلود ہاتھ شیشے سے پھسلتا ہوا نیچے جانے لگا۔ وہ ہاتھ سے شیشے پر ایک سرخ پٹی سی چھوڑ گیا تھا۔

بجلی کی چکاچوند میں وہ بھیانک چہرہ عالیہ کو صرف ایک لمحے کے لئے نظر آیا تھا مگر اس کی آنکھوں میں موت کی اذیت اور خونخواری کے جنون کے ساتھ ساتھ ایک عجیب سے جذبے کی جھلک بھی عالیہ نے دیکھی تھی...... ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ شخص تاریکی میں بھی کار میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے چہرے صاف دیکھ رہا تھا...... خصوصاً" عالیہ کا چہرہ اس کی آنکھوں میں گویا عالیہ کے لئے ایک خاموش پیغام تھا...... "اچھا...... تو وہ تم ہو جس نے میری نشاندہی کی ہے...... میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں......"

وہ یقیناً" کار کے قریب گر کر مرچکا تھا لیکن عالیہ کے جسم پر اب بھی ارتعاش سا طاری تھا۔ منیر گاڑی کا دروازہ کھولنے لگا تو عالیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا...... "خدا کے لئے ابھی نیچے مت اترنا......"

"ڈرو مت عالیہ! اب وہ مرچکا ہے...... اسے معلوم نہیں کتنی گولیاں لگی ہیں......" منیر آہستگی سے اس سے ہاتھ چھڑا کر گاڑی سے اتر گیا۔ وہ اندھیرے میں جھک کر قاتل کا جائزہ لینے لگا پھر اس نے سیدھا کھڑا ہوتے ہوئے کار میں جھانک کر عالیہ کو بتایا۔

"ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ یہ درندہ واقعی مرچکا ہے......"

اس دوران انسپکٹر نثار ملک اور نیاز چودھری بھی دیوار پھاند کر گلی میں آ گئے۔ پولیس کی دونوں گاڑیاں بھی ادھر لائی گئیں۔ ان کی ہیڈلائٹس آن کی گئیں اور روشنی میں صورت حال کا جائزہ لیا گیا۔ قاتل نے رب نواز کی پسلیوں کے عین نیچے خنجر گھونپا تھا۔ زخم کافی گہرا معلوم ہوتا تھا اور خون تیزی سے ضائع ہو رہا تھا۔ وہ بے ہوش تھا اور اُکھڑے اُکھڑے سے سانس لے رہا تھا۔ نثار ملک نے اسے گاڑی میں ڈالا اور نور حیات کے ساتھ فوراً" ہسپتال روانہ کر دیا۔ جیپ کے ریڈیو پر اس نے مزید نفری طلب کی پھر منیر اور عالیہ کی طرف مڑتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں بولا...... "کاش ہم نے عالیہ بی بی کی بات مان لی ہوتی......"

"یہی تو قدرت کا نظام ہے......" منیر گہری سانس لے کر بولا...... "ہونی ہر حال میں ہو کر رہتی ہے...... اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں کے مشورے پر عمل کر کے وہ یقینی طور پر تباہی سے محفوظ رہ سکتے ہیں تو پھر وہ سب کچھ کیونکہ پورا ہو گا جو ان کے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے؟ ان باتوں سے دراصل قدرت کو انسان کی کمزوری' بے وقعتی اور بے بسی ظاہر کرنا مقصود ہے کہ خدا کی خوشنودی حاصل کئے بغیر وہ مقدر کے لکھے کو نہیں بدل سکتا......" اس کا لہجہ اتنا متاثر کن تھا کہ نثار ملک ایک لمحے کے لئے اس کی طرف دیکھتا رہا گیا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ بظاہر کرخت اور دنیادار سا نظر آنے والا یہ شخص ایسے درویشانہ خیالات رکھتا ہو گا۔

انہوں نے اب تیز روشنی میں قاتل کا جائزہ لیا۔ وہ بظاہر ایک عام سا ہی آدمی تھا لیکن اس کی وحشت اور اس کا جنون اس کے چہرے پر ہی منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ کافی بدصورت تھا اور اس عالمِ وحشت میں موت آنے پر شکل کچھ اور بگڑ کر رہ گئی تھی۔ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں جنہیں دیکھ کر جھرجھری آ رہی تھی۔ اس کی صورت دیکھ کر اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ زندگی میں شاید ہی کوئی عورت اس پر مہربان ہوئی ہو۔ اس کے جنون' مجرمانہ حملوں اور قتل و غارت کے پیچھے شاید نفرت مسلسل ہی کی کوئی کہانی پنہاں رہی ہو۔ اس کے جسم میں پانچ گولیاں لگی تھیں ایک گولی نے تو نرخرے کا کچھ حصہ

غائب کر دیا تھا اور اس کی جگہ ایک بھیانک سوراخ نظر آ رہا تھا۔ جس سے ابلنے والا خون بارش کے پانی میں مل کر بہہ رہا تھا۔

چند لمحے کے سکوت کے بعد نثار ملک اپنی ٹوپی اتار کر نچوڑتے ہوئے بولا......

"مجھے رب نواز کے شدید زخمی ہونے کا دلی افسوس ہے...... لیکن خوشی اس بات کی ہے کہ اس فرض شناس آدمی کی قربانی رائیگاں نہیں گئی اور یہ درندہ اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ یہ ہمارے لئے زبردست دردِ سر بنا ہوا تھا۔ افسرانِ بالا کی طرف سے ہم پر بہت دباؤ تھا...... اور سچی بات یہ ہے کہ آج آپ لوگوں کے ساتھ روانہ ہوتے وقت مجھے دلی طور پر کچھ زیادہ یقین نہیں تھا کہ ہم واقعی اسے گرفتار یا ہلاک کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے......"

"کیا اس کا چہرہ آپ کے لئے شناسا نہیں؟" منیر نے قاتل کی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ اس کے لہجے میں اب دلچسپی جھلک آئی تھی۔

"کم از کم میرے لئے تو یہ چہرہ شناسا نہیں ہے......" نثار ملک نے نفی میں سر ہلایا۔ "جتنے ہسٹری شیٹرز کی تصویریں میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ یہ ان میں سے بھی کوئی معلوم نہیں ہوتا...... میرا ذاتی نظریہ یہی ہے کہ یہ کوئی ہسٹری شیٹر یا پرانا پیشہ ور مجرم نہیں ہے...... بہرحال...... میری چونکہ محکمے میں سروس زیادہ طویل نہیں ہے اس لئے میں زیادہ یقین سے بھی یہ بات نہیں کہہ سکتا......"

عالیہ چہرے سے پانی پونچھتے ہوئے مرتعش لہجے میں بولی...... "حیرت مجھے اس بات پر ہے کہ اس کی آنکھوں میں' مرتے وقت میرے لئے شناسائی کی جھلک اور انتقام کی طلب تھی حالانکہ گاڑی میں اندھیرا تھا اور میرا خیال تھا کہ وہ میری صورت نہیں دیکھ رہا...... مگر اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ گاڑی کے اندر کا منظر بالکل صاف طور پر دیکھ رہا ہے...... کیا یہ عجیب بات نہیں؟"

"اس شخص کے بارے میں بہت سی باتیں مجھے بھی عجیب سی محسوس ہو رہی ہیں......" نثار ملک بولا...... "اس اعتبار سے اس کا ہلاک ہو جانا ہمارے حق میں اچھا ثابت نہیں ہوا۔ اگر یہ زندہ ہمارے ہاتھ آ جاتا تو تفتیش سے بہت سی ایسی باتیں سامنے

آتیں جو شاید اب نہ آ سکیں"۔

بارش اب رفتہ رفتہ رک رہی تھی لیکن سب لوگ پوری طرح بھیگ چکے تھے۔ عالیہ تو تھر تھر کانپنے لگی تھی۔ اس کی طرف عامر نے توجہ دی...... "انسپکٹر صاحب! باجی بُری طرح تھک چکی ہیں اور سردی سے کانپ رہی ہیں۔ آپ لوگوں کو تو ابھی ضابطے کی کار وائیاں مکمل کرنی ہوں گی...... نہ جانے کتنی دیر لگ جائے۔ آپ ہمیں تو اجازت دیجئے۔ اگر ہم میں سے کسی کے بیان کی کوئی ضرورت ہو گی تو بعد میں ہم سے رابطہ قائم کر لیجئے گا......"

نثار ملک نے ایک لمحے کچھ سوچا پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا...... "ٹھیک ہے...... آپ لوگ جائیے...... آپ تینوں کافی زحمت اٹھا چکے ہیں...... خصوصاً عالیہ بی بی کو تو ہم نے بہت تکلیف دی ہے"۔

"اس تکلیف کو تو میں بھول جاؤں گی...... خوشی کی بات یہ ہے کہ معاشرے سے ایک ناسور کا خاتمہ ہو گیا......" عالیہ کانپتی آواز میں بولی۔ عامر نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا اور گاڑی کی طرف لے چلا۔ منیر ان سے ایک قدم پیچھے رہا۔ وہ قدرے چبھتی ہوئی سی نظروں سے اپنے سالے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

منیر کو بہت اچھی طرح معلوم تھا کہ عامر اسے پسند نہیں کرتا...... اور عامر نے بھی اپنی ناپسندیدگی چھپانے کی کبھی کوشش نہیں کی تھی۔ شادی کے ابتدائی دنوں میں منیر نے اپنے سالے کی نظروں میں اچھا بننے کے لئے تھوڑی بہت کوششیں کی تھیں مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ عامر کی نظر میں اس کا تاثر خراب ہی رہا تھا۔ عامر کا خیال تھا کہ اس شخص نے کسی لالچ کے تحت اس کی بہن کو باقاعدہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت متاثر کیا تھا اور شادی کے لئے آمادہ کیا تھا۔

منیر کسی طرح بھی اس کے ذہن سے یہ خیال نہیں نکال سکا تھا۔ معاملہ کسی اور شخص کا ہوتا تو منیر اس کا جبڑا توڑ کر اور دو چار پسلیاں موڑ کر کم از کم زبانی طور پر اسے اپنی رائے تبدیل کرنے پر مجبور کر سکتا تھا...... مگر عالیہ کے بھائی کے ساتھ وہ یہ سلوک بھی نہیں کر سکتا تھا...... حالانکہ اس قسم کی کار وائیوں میں وہ بہت ماہر تھا۔

شادی سے پہلے اس کا عالم ہی کچھ اور تھا........ راہ چلتے جھگڑا مول لینا اس کی عادت تھی۔ سینما ہال، ریلوے اسٹیشن، بس اسٹاپ، پنواڑی کی دکان، کسی گلی کی نکڑ، غرضیکہ کسی بھی مقام پر وہ جھگڑے کے لئے ہروقت تیار رہتا تھا۔ کسی نے اس کی طرف زیادہ غور سے دیکھ لیا تو جھگڑا........ گزرتے وقت کسی کا کندھا اس کے کندھے سے ٹکرا گیا تو جھگڑا........ کسی نے ذرا کچھ کہہ دیا تو جھگڑا........ وہ قدرت کے عطا کئے ہوئے مضبوط آہنی ہاتھوں اور کسرتی جسم سے پورا پورا بلکہ ناجائز فائدہ اٹھاتا تھا اور اپنی مرضی کے خلاف ذرا سی بھی حرکت کرنے والے کی خوب دھنائی کرتا تھا۔ اس کے جوڑ کا آدمی تو شاذ و نادر ہی کہیں نظر آتا تھا........ اگر کبھی اس کے قد کاٹھ کو پہنچتا ہوا کوئی شخص اس سے الجھا بھی تھا تو اسے بھی منہ کی کھانی پڑی تھی۔ منیر نے تو گویا لڑائی جھگڑے اور دنگا فساد کی خصوصی تربیت لے رکھی تھی۔

شادی کے بعد عالیہ پر جب منیر کی اس عادت کا انکشاف ہوا تھا تو اس نے ہاتھ جوڑ کر، منت سماجت کر کے بڑی مشکلوں سے اس کے غصے کے سیلاب پر بند باندھا تھا۔ اس نے منیر کو علم نفسیات کی روشنی میں بہت سمجھایا بجھایا تھا کہ اب وہ معزز طبقے کا ایک فرد بن چکا ہے اور معزز لوگوں کے یہ طور طریقے نہیں ہوتے کہ سرِعام لوگوں سے دھینگا مشتی اور لپاڈگی کرتے پھریں۔ بڑی مشکل سے منیر نے اپنی اس عادت پر قابو پایا تھا۔ خود اپنے الفاظ کے مطابق اس نے "اپنے ہاتھ پاؤں باندھ لئے تھے"۔

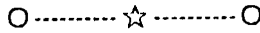
بہت کم لوگ اتنے بڑے ظرف کے مالک ہوتے ہیں کہ ناپسندیدگی یا نفرت کا جواب والہانہ پن اور محبت سے دے سکیں اور منیر کو تو اعلیٰ ظرفی کا قطعاً ہی دعویٰ نہیں تھا اس لئے اس کے دل میں بھی عامر کے لئے کوئی محبت نہیں تھی۔ اس وقت وہ عالیہ کو عامر کا سہارا لئے گاڑی کی طرف بڑھتے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ عالیہ اگر دنیا میں بالکل ہی تنہا ہوتی تو اور بھی اچھا ہوتا۔

عامر اب الگ مکان میں رہتا تھا اور اپنا کاروبار شروع کر چکا تھا مگر اب بھی عالیہ کے ہاں اس کا خاصا وقت گزرتا تھا........ اور عام طور پر وہ ایسے وقت میں آنا پسند کرتا تھا جب منیر گھر پر نہیں ہوتا تھا۔ منیر کو معلوم تھا کہ وہ اب بھی تنہائی میں عالیہ کو "سمجھاتا بجھاتا"

رہتا ہے۔ گو کہ اب اس سمجھانے بجھانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ منیر کو معلوم تھا کہ عالیہ اس کی باتوں پر کان نہیں دھرتی۔ اسی لئے منیر اپنی جگہ مطمئن تھا اور اس نے عامر کی زبان بندی کا کوئی "بندوبست" کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے منیر نے دیکھا کہ اکا دکا آدمی شب خوابی کے لباس میں چھتری وغیرہ لئے ڈرتے جھجکتے، پاس پڑوس کے گھروں سے نکل کر جائے وقوعہ کی طرف آ رہے تھے۔ پھر نہ جانے اسے کیا خیال آیا کہ اس نے گاڑی میں بیٹھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور وہیں رکتے ہوئے عامر سے مخاطب ہوا۔ "تم عالیہ کو گھر لے جاؤ۔ میں باقی کارروائی دیکھ کر واپس آؤں گا۔ شاید مجھے دیر لگ جائے"۔ پھر وہ کھڑکی پر جھکتے ہوئے عالیہ سے مخاطب ہوا"۔ جان تم میرے انتظار میں جاگنا مت........ اور فکرمند بھی نہ ہونا۔ میں کسی بھی وقت آ جاؤں گا۔ گھر کی چابیاں تو میرے پاس ہیں۔ میں کسی کو جگائے بغیر خود ہی اندر آ جاؤں گا۔ تم اطمینان سے سو جانا۔ بہت تھک چکی ہو۔ شب بخیر"۔

عالیہ کے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ اس طرف چل دیا جدھر لوگ پولیس والوں کے گرد جمع ہو رہے تھے اور صورتِ حال جاننے کی کوشش کر رہے تھے۔



منیر کو وہیں چھوڑ کر وہ دونوں بہن بھائی گاڑی کی طرف بڑھے تو منیر بولا۔ "گاڑی تم میرے لئے چھوڑ جاؤ۔ مجھے اس کی ضرورت ہو گی۔ میں نثار ملک سے کہہ کر تمہیں پولیس جیپ میں بھجوا دیتا ہوں"۔

عامر منہ بنا کر رہ گیا۔ ایک تو اسے اپنا بہنوئی ویسے ہی اچھا نہیں لگتا تھا۔ اوپر سے منیر کے انداز و اطوار دیکھ کر اس کی اور بھی جان جلتی تھی۔ منیر' عالیہ کی ہر چیز کو اس طرح رعب سے استعمال کرتا تھا اور کچھ اس طرح احساسِ ملکیت کا اظہار کرتا تھا جیسے یہ سب اس کی اپنی کمائی سے' اس کی قوتِ بازو سے حاصل ہوا ہو۔ عامر کو اس شخص کی ڈھٹائی پر حیرت ہوتی تھی۔ اس وقت بھی اسے منیر کا انداز ناگوار گزرا مگر عالیہ کی موجودگی کی وجہ سے وہ کچھ بولا نہیں۔

منیر نے جا کر نثار ملک سے کچھ کہا اور نثار ملک نے فوراً ایک اے ایس آئی کو حکم دیا کہ وہ عالیہ اور عامر کو جیپ میں ان کے گھر پہنچا دے۔

راستے میں عالیہ بالکل خاموش رہی۔ ان کا گھر وہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ جلد ہی وہ گھر پہنچ گئے۔ عامر نے ملازمہ کو جگانے اور سرونٹ کوارٹر سے بلانے کے بجائے خود ہی کچن میں جا کر کافی کے دو مگ تیار کئے اور ٹرے میں سجا کر عالیہ کے کمرے میں لے

آیا۔

"اوہ....... عامی! تمہیں خوب پتا ہے کہ میرا کس وقت کس چیز کو دل چاہ رہا ہے......." عالیہ کمزور سی آواز میں بولی اور بھائی کی طرف دیکھ کر تھکے تھکے سے انداز میں مسکرائی۔ وہ اپنے بیڈ پر گاؤ تکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

"پتا کیسے نہیں ہو گا۔ آخر بچپن سے تمہارا خیال رکھتا آ رہا ہوں"۔ وہ مشفقانہ سے لہجے میں بولا۔ وہ عالیہ سے صرف چھ سال بڑا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ جب وہ خود ایک کم عمر نوجوان تھا تب بھی کبھی کبھار اسے بالکل ایک باپ کی طرح عالیہ کا خیال رکھنا پڑا تھا۔ اسے سنبھالنا پڑا تھا اور جذباتی طور پر اس کے لئے ایک مضبوط سہارا بننا پڑا تھا۔

اس نے کافی کی ٹرے تپائی پر رکھ دی تو عالیہ معذرت خواہانہ سے انداز میں مسکراتے ہوئے بولی......." بھیا! تمہیں معلوم ہی ہو گا کہ اس وقت میں ایک اور چیز کی ضرورت محسوس کر رہی ہوں......."

"ہاں...... مجھے معلوم ہے......." عامر بلا تامل بولا اور باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ دواؤں کی کیبنٹ باتھ روم میں تھی۔ وہ وہاں سے دردِ سر کی دو گولیاں نکال لایا۔

"انہی کی ضرورت تھی نا تمہیں؟" عامر نے پُراعتماد لہجے میں پوچھا۔

"آپ بالکل ٹھیک سمجھے......." عالیہ نقاہت بھرے انداز میں ہنسی۔

پانی سے گولیاں نگلنے کے بعد عالیہ کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھرنے لگی۔ عامر کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ کافی ختم ہو چکی تب بھی کمرے میں گہرا سکوت چھایا رہا۔ بالآخر عالیہ نے ہی یہ سکوت توڑا۔

"یہ آپ کو یک دم چپ کیوں لگ گئی بھیا؟" وہ قدرے شگفتگی سے بولی۔

"میں تمہارے ذہن کو پُرسکون ہونے اور تمہیں اپنی توانائیاں مجتمع کرنے کا موقع دے رہا تھا"۔ عامر سر اٹھاتے ہوئے بولا......." اگر میں بولتا رہتا تو شاید یہ گولیاں اور کافی تمہیں اتنا فائدہ نہ پہنچاتی....... اب بتاؤ کیسا محسوس کر رہی ہو؟"

"بہت بہتر......." عالیہ طویل سانس لے کر بولی......."ورنہ آج جس قسم کی آزمائش سے گزرنا پڑا ہے اس کے بعد میں ذہنی اور جسمانی طور پر بالکل نچڑ جاتی

ہوں........ ساری توانائیاں گویا رخصت ہو جاتی ہیں۔ بڑی مشکل سے دوبارہ حالت سنبھلتی ہے"۔

"میں جب بھی تمہاری یہ حالت دیکھتا ہوں تو مجھے دکھ سا ہوتا ہے۔ عالیہ! عامر کے لہجے میں حقیقتاً" دکھ تھا"۔ میں سوچتا ہوں کہ آخر تمہیں اب یہ سب کچھ کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ تمہیں کوئی مالی مجبوری بھی نہیں ہے........ اور پولیس کے لئے کام کر کے تو ویسے بھی تمہیں کچھ ملتا ہی نہیں ہے........ تم یہ ساری تکلیفیں اٹھائے بغیر بھی آسودہ حالی سے زندگی گزار سکتی ہو اور اگر کوئی مسئلہ ہو بھی تو اسے حل کرنا تمہارے شوہر کی ذمہ داری ہے۔ تم نے کوئی اس کا ٹھیکہ تو نہیں لے لیا کہ زندگی بھر اسے عالیشان گھر میں رکھنا' آمدورفت کے لئے اتنی مہنگی گاڑی دیئے رکھا' بہترین تقریبات میں لے جانا' اونچے طبقے سے میل جول کرانا' بہترین ملبوسات فراہم کرنا اور دیگر تمام ضروریات پوری کرنا تمہاری ذمہ داری ہے' یہی کیا کم ہے کہ میری پھول سی بہن اس ریچھ جیسے آدمی سے بیاہی گئی ہے........"

"بس بھیا!" عالیہ نے یکدم اس کی بات کاٹ دی۔ اس کے لہجے میں سختی اور آنکھوں میں برہمی در آئی تھی۔ وہ شاذونادر ہی کسی پر برہم ہوتی تھی اور عامر کی تو بات ہی الگ تھی۔ پھر بھی گویا اسے ضبط کا یارا نہیں رہا تھا۔ "آپ کو معلوم ہے بھیا........ میں منیر کے بارے میں اس قسم کے توہین آمیز الفاظ نہیں سن سکتی۔ آپ ان پر تنقید ضرور کیجئے........ اور تنقید بھی ایسی جو آپ ان کے منہ پر بھی کر سکتے ہوں۔ لیکن خدا کے لئے ان کی پیٹھ پیچھے ان کی توہین مت کیجئے"۔

عامر نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر رہ گیا۔ ایک لمحے خاموشی رہی........ اس دوران عالیہ نے اپنی برہمی پر قابو پالیا۔ پھر وہ ماحول میں یکدم پیدا ہو جانے والی تلخی کو دور کرنے کی غرض سے نرم لہجے میں بولی........ "آئی ایم سوری عامی بھیا! میں جس طرح آپ کی زبان سے منیر کی توہین برداشت نہیں کر سکتی اسی طرح میں نے کبھی ان کے منہ سے آپ کی توہین بھی برداشت نہیں کی........ خدا گواہ ہے"۔

"مجھے معلوم ہے........" عامر ملائمت سے بولا۔ اس کے لہجے سے ظاہر تھا کہ اس

نے عالیہ کی برہمی کا برا نہیں مانا تھا۔

عالیہ گہری سانس لے کر بولی........ "اور جہاں تک آپ کے اس سوال کا تعلق ہے کہ آخر مجھے اپنے ذہن پر اتنا بوجھ ڈالنے کی ضرورت ہی کیا........ تو عامی بھیا........ ہر کام پیسے کے لئے ہی تو نہیں کیا جاتا۔ ہر فرد پر اس معاشرے کے' اس سوسائٹی کے کچھ حقوق ہیں۔ میں ان میں سے ایک آدھ حق ادا کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ میں یہ سب کچھ بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے کرتی ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے ذہن پر بوجھ بہت پڑتا ہے لیکن انسانوں یا انسانیت کی کوئی خدمت انجام دینے کے بعد سکون بھی بے انتہا ملتا ہے۔ میں اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرتی ہوں........ اور پھر عزت بھی بہت ملتی ہے........ عزت کا کوئی نعم البدل نہیں نا؟ عزت تو بعض اوقات دولت کے بل پر بھی نہیں خریدی جا سکتی۔ آپ نے دیکھا ہی ہو گا کہ کتنے بڑے بڑے لوگ کیسے ممنون نظر آتے ہیں۔ کس طرح بچھے جاتے ہیں۔ یہ طمانیت کیا کم ہے؟ ہر ایک کو کہاں نصیب ہوتا ہے یہ مقام؟"

اس نے ایک گہری سانس لے کر اپنے خوبصورت ریشمی بالوں میں انگلیاں پھیریں جو تولیے سے پونچھنے کے باوجود ابھی تک کچھ نم ہی تھے۔ اس کے صبیح چہرے پر واقعی طمانیت کی چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ سرگوشی کے سے انداز میں بولی........ "آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ چند منٹ پہلے میری کیا حالت تھی اور اب میں اپنے آپ کو کس قدر تازہ دم محسوس کر رہی ہوں۔ یہ صرف طمانیت کا نتیجہ ہے۔ میں نے اس قاتل کو........ اس درندے کو مرتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا ہے۔ اس وقت تو ذہن پر ناقابلِ برداشت بوجھ تھا۔ اعصاب میں تناؤ اور کشیدگی تھی۔ مگر اب میں اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی ہوں۔ معاشرے کے وجود پر آج کل جو کوڑھ پھیلا ہوا ہے' میں محسوس کر رہی ہوں کہ میں نے اس کوڑھ کا ایک آدھ داغ مٹا دیا ہے۔ قدرت نے اگر مجھے دستِ مسیحائی بخشا ہے تو میں نے اس سے کچھ نہ کچھ کام لیا ہے........"

"اچھا تو مجھے بھی لگتا ہے یہ سب کچھ........" عامر ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔

"لیکن بس........ میں کیا کروں۔ میں کہے بغیر رہ نہیں سکتا۔ تمہیں معلوم ہی ہے کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے۔ میں ہر لحہ تمہارے بارے میں فکر مند رہتا ہوں........"

"مجھے معلوم ہے........" عالیہ مسکرائی۔ اس مسکراہٹ میں طمانیت بھی تھی اور فخر بھی........ "آپ تو میرے لئے اس وقت بھی فکر مند رہا کرتے تھے جب ہم دونوں تقریباً بچے ہی تھے"۔

"ہاں........ اسی لئے تو عادتیں بگڑ گئی ہیں"۔ عامر طویل سانس لے کر بولا۔ "بچپن سے مجھے ایک احساسِ ملکیت سا تھا۔ جیسے دنیا میں صرف میں اور تم ہی ایک دوسرے کے ہیں۔ تمہاری دیکھ بھال کرنا اور تمہارا خیال رکھنا صرف میری ذمہ داری ہے لیکن جب سے تمہاری شادی اس سے ہوئی ہے مجھے یوں لگتا ہے جیسے کوئی میری متاعِ عزیز مجھ سے چھین کر لے گیا ہے........ اور پھر مجھے زیادہ غصہ اس لئے ہے کہ وہ مجھے تم سے بہت مختلف........ بلکہ تمہاری ضد دکھائی دیتا ہے۔ ٹھیک ہے' بہت سے میاں بیوی ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ بلکہ اکثر ہی میاں بیوی ہوتے ہیں۔ مگر اب اتنا بھی کیا تضاد........ تم اتنی خوبصورت' نازک اندام' نازک مزاج' حساس' ذہین' نرم دل اور انتہائی غیر معمولی لڑکی ہو۔ جب کہ وہ کم رو' بے ہنگم' کرخت مزاج' بے حس' کوڑھ مغز' سفاک اور بالکل عام سا' معمولی سا آدمی ہے۔ تمہارے اور اس کے سوشل اسٹیٹس میں بھی تو کوئی مناسبت نہیں تھی۔ تم کھاتے پیتے گھر کی تھیں۔ معاشرے میں تمہارا نام اور مقام تھا........ اور وہ........ ایک گمنام اور بے حیثیت آدمی........ میں نے تمہیں اتنا منع کیا مگر معلوم نہیں تمہیں اس شخص میں کیا خوبی نظر آئی تھی........ تم خود مختار تھیں۔ میں تمہیں جبراً نہیں روک سکتا تھا۔ اور نہ ہی جبراً روکنا چاہتا تھا۔ مذہب اور معاشرے نے تمہیں جو حق دے رکھا ہے میں تمہیں اس سے محروم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تمہاری نظروں میں ناپسندیدہ بننا نہیں چاہتا تھا۔ اپنے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگوانا نہیں چاہتا تھا۔ اسلئے میں نے صرف اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا لیکن تم پر اپنا فیصلہ ٹھونسا نہیں........ لیکن میں آج تک فیصلہ نہیں کرپایا کہ میں نے اچھا کیا یا برا........"

"آپ نے بہت اچھا کیا بھیا! آپ خود کو یقین کیوں نہیں دلا دیتے کہ آپ نے بہت

اچھا کیا........" عالیہ دھیمے سے لہجے میں بولی۔ "میں جانتی ہوں آپ کی یہ بدگمانیاں ایک خاص نفسیاتی گرہ کی پیداوار ہیں۔ کچھ ویسی ہی نفسیاتی گرہ جو ساس اور بہو کے درمیان خلیج برقرار رکھتی ہے لیکن مجھے معلوم ہے یہ گرہ دھیرے دھیرے کھلتی جائے گی۔ دراصل آپ منیر کو صرف سطحی نظر سے دیکھتے ہیں۔ آپ اس کے سراپا پر مت جایئے۔ اندر سے وہ بہت نرم خو' بہت نرم دل ہے۔ آپ ایک مرد کو اس کی بیوی سے زیادہ بہتر طور پر نہیں جان سکتے"۔

"اور اس کی وہ لڑائیاں........ وہ جھگڑے........؟" عامر طنزیہ سے لہجے میں بولا۔ "معلوم نہیں کتنے لوگوں کا سر پھوڑا تھا اس نے۔ کتنے لوگوں کی ہڈیاں توڑی تھیں' شادی سے پہلے۔ کئی مرتبہ تو موصوف تھانے کی ہوا بھی کھا چکے ہیں۔ وہ تو اس کا جو چیتھڑا سا اخبار تھا نا........ جس کا رنگ برنگا سا کارڈ اس کی جیب میں ہر وقت پڑا رہتا تھا........ مجھے تو نام بھی یاد نہیں رہا اس اخبار کا۔ جس کے یہ چیف رپورٹر بنے پھرا کرتے تھے۔ بس اس کی وجہ سے گلو خلاصی ہو جاتی تھی۔ ورنہ اب تک تو موصوف شاید کسی جیل میں چکی پیس رہے ہوتے"۔

"عامی بھیا!" عالیہ گلوگیر سی آواز میں بولی........ "میری خواہش تھی کہ آپ اور منیر کے درمیان یہ خلیج نہ ہوتی۔ آپ ایک دوسرے کے دوست ہوتے........"

"چاہتا تو میں بھی یہی تھا"۔ عامر گہری سانس لے کر بولا........ "لیکن کیا کروں اس شخص سے میرا دل نہیں ملتا۔ میرے پاس تمہارے جتنی غیبی صلاحیتیں اور ذہنی طاقت نہیں ہے کہ انسانوں کے بارے میں بہت سی گفتی اور ناگفتی باتیں جان سکوں........ میں تو ایک عام سا انسان ہوں بس دل کے کہنے پر چلتا ہوں........ اور مرا دل اسے اچھا انسان نہیں مانتا لیکن تم اسے اچھا سمجھتی ہو اس لئے تمہارے خیرخواہ بھی اسے اچھا سمجھنے اور برداشت کرنے پر مجبور ہیں"۔

عالیہ نے تھکے تھکے سے انداز میں آنکھیں بند کر لیں۔ بڑی شدت سے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس وقت منیر واپس آ جائے۔ اس کی موجودگی میں وہ اپنے آپ کو بے حد محفوظ اور بہت مکمل محسوس کرتی تھی۔ اس کے بغیر وہ اپنے آپ کو جھلتے صحرا میں آبلہ پا

ادھر سے اُدھر بھٹکتی محسوس کرتی تھی۔ منیر کا وجود اس کے لئے سائبان تھا۔ اس کے بغیر وہ ادھوری سی بھی ہو جاتی تھی۔ وہ اس کی تکمیل تھا۔

عامر اٹھا اور ٹہلتا ہوا کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ چند لمحے کی خاموشی کے بعد وہ بولا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ میں کل اپنے امپورٹ ایکسپورٹ کے بزنس کے لئے ایک برانچ آفس قائم کرنے لاہور جا رہا ہوں۔ اس میں کئی دن لگ جائیں گے۔ واپس آتے ہی میں سیٹھ ولی بھائی کے ساتھ انگلینڈ چلا جاؤں گا۔ وہاں چند بڑی پارٹیوں کے ساتھ ہماری کئی میٹنگز ہوں گی"۔

"تو پھر......؟" عالیہ دھیمے لہجے میں بولی۔ اس کے بھائی نے پہلے کبھی اسے اپنی مصروفیات کا شیڈول نہیں بتایا تھا۔ وہ سمجھ نہیں سکی تھی کہ اب وہ اپنا سارا پروگرام کیوں بتا رہا تھا۔

عامر اس کی طرف مڑے بغیر بولا...... "مطلب یہ کہ میں خاصے دنوں تک بے پناہ مصروف رہوں گا اور تم سے دور بھی...... میرا دل نہیں چاہ رہا تمہیں اکیلے چھوڑ کر جانے کو...... تمہاری طرف سے بہت فکرمند رہوں گا میں......"

"لیکن میں اکیلی تو نہیں ہوں گی۔ منیر میرے ساتھ گھر پر ہوں گے"۔

"اسی لئے تو میں زیادہ فکرمند ہوں گا"۔ عامر اس کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔ عالیہ کے معصوم چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ عامر اس کی گہری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا...... "عالیہ! تمہیں کبھی اندازہ ہوا ہے کہ منیر کو روپے پیسے سے کتنی دلچسپی ہے؟"

"روپے پیسے سے دلچسپی کس کو نہیں ہوتی بھیا؟" عالیہ ملائمت سے بولی۔ "مجھے' آپ کو' سب کو ہے۔ میں نے کتنی درویشانہ اور سادگی پسند طبیعت پائی ہے لیکن لاشعوری طور پر میں بھی روپے پیسے سے دلچسپی رکھتی ہوں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں آسائشوں سے محرومی برداشت نہیں کر سکتی۔ میں کسی تنگ و تاریک مکان میں رہنے کا تصوّر بھی نہیں کر سکتی۔ میں ہر چیز معیاری اور مہنگی استعمال کرنا پسند کرتی ہوں۔ گو کہ میں چمک دمک اور بھڑکیلے پن کو پسند نہیں کرتی لیکن میں ہر چیز میں معیار کا خیال ضروری رکھتی ہوں۔ میں اپنی سطح سے نیچے آنا کیوں پسند نہیں کرتی؟ یہ سب دولت پرستی ہی کی مختلف

شکلیں ہیں۔ کوئی شکل ذرا بہتر اور قابلِ برداشت ہوتی ہے اور کوئی شکل بُری اور ناقابلِ برداشت ہوتی ہے......"

"اپنی دولت سے پیار کرنا یا اسے اپنی آسائشوں کے لئے استعمال کرنا کوئی بُری بات نہیں......" عامر سمجھانے کے سے انداز میں بولا...... "بُری بات یہ ہے کہ انسان دوسروں کی دولت پر نظر رکھے۔ دوسروں کے پیسے سے اپنے لئے زیادہ سے زیادہ آسائشیں اور خوشیاں خریدنے کی کوشش کرے اور اس پر یوں قبضہ جما کر بیٹھ جائے جیسے یہ اس کی اپنی ہی کمائی ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں موصول ہونے والے نذرانوں کا حساب کتاب' مکانوں کی پاور آف اٹارنی اور دیگر تمام مالی اختیارات منیر کے ہاتھ میں چلے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ تم نے بینک اکاؤنٹ بھی اس کے ساتھ مشترکہ کر لیا ہے جس کے بعد صرف تم ہی نہیں بلکہ وہ بھی جس وقت چاہے رقم نکلوا سکتا ہے۔ مجھے یہ سب آثار اچھے معلوم نہیں ہوتے ہیں۔ یہ چیزیں تمہارے حق میں اچھی ثابت نہیں ہوں گی"۔

"لیکن یہ سب اقدامات تو میں نے خود اپنی مرضی سے کئے ہیں...... میں نے دیئے ہیں انہیں یہ سارے اختیارات' کیونکہ ان تمام معاملات کو سنبھالنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ مختلف کاموں کے سلسلے میں آئے دن مختلف دفاتر میں بھی جانا پڑتا ہے۔ میں یہ سب کچھ نہیں کر پا رہی تھی۔ اس لئے میں نے ہی انہیں تمام معاملات کا مختار بنایا ہے۔ انہوں نے مجھ سے فرمائش نہیں کی تھی"۔ عالیہ رو دینے والی آواز میں بولی۔

"یہی تو ایسے مردوں کا فن ہوتا ہے......" عامر تلخ لہجے میں بولا۔ "وہ عورت سے براہ راست کوئی فرمائش تو نہیں کرتے۔ اس طرح تو عورت چوکنی ہو جائے' اسے شک ہو جائے...... وہ تو بہت دھیرے دھیرے عورت کو اس کی کمزوریوں کا احساس دلاتے ہیں۔ اسے اس کی اپنی ہی نظریں نااہل اور کمزور ثابت کرتے ہیں اور عورت بالآخر آہستہ آہستہ خود ہی سب کچھ اس کے سپرد کر دیتی ہے۔ تم بہت سادہ دل اور معصوم ہو...... تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتیں"۔

"آپ کا مطلب ہے کہ منیر نے صرف اس تھوڑی سی دولت اور تھوڑی سی جائداد کے لئے مجھ سے شادی کی ہے؟" عالیہ کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

"تمہاری نظر میں یہ دولت اور جائداد تھوڑی ہے۔ کیونکہ ہم لوگوں کا اٹھنا بیٹھنا اس ملک کے دولتمند ترین طبقوں میں ہے۔ اس لئے ان کے مقابلے میں ہمیں اپنی حیثیت کچھ بھی نظر نہیں آتی........ لیکن اگر کسی کو اپنے دست محنت سے اتنا بھی بنانا پڑے تو اسے دانتوں پسینہ آ جائے۔ ایک بیکار تہی دست آدمی کے لئے تو یہ بھی بہت کچھ ہے۔ وہ تو زندگی بھر اس کا بھی خواب نہیں دیکھ سکتا۔ وہ تو اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتا ہو گا جسے بیٹھے بٹھائے تم جیسی معصوم' حسین اور وفاشعار بیوی ہی نہیں' ساتھ بھی اتنا کچھ مل گیا........ مگر تم ہو کہ اسے سمجھنے اور اس پر نظر رکھنے کے بجائے آنکھیں بند کر کے اس کے پیچھے چل پڑی ہو........"

"ہاں بھیا........!" عالیہ نے سر جھکا لیا اور سرگوشی کے سے انداز میں بولی۔ "مجھے ان پر اندھا اعتماد ہے۔ اس لئے مجھے آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے پیچھے چلنے میں ہی سکون ملتا ہے"۔

"لیکن میرا مشورہ یہی ہے کہ تم آنکھیں کھول کر چلنا اور حقائق کا سامنا کرنا سیکھو۔ ضروری نہیں کہ انسان اپنے معصوم اعتماد کے سہارے آنکھیں بند کر کے بھی ہمیشہ منزل تک پہنچ ہی جائے........ اکثر وہ گڑھے میں ہی گرتا ہے۔ یاد رکھنا میں تمہیں ذرا سا بھی نقصان پہنچتے نہیں دیکھ سکتا........"

"آپ مطمئن رہیں........ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا........" عالیہ آنکھیں پونچھتے ہوئے مسکرائی۔ اس کی کوشش تھی کہ ماحول پر چھائی ہوئی کشیدگی اور بوجھل پن اب ختم ہو جائے۔

دفعتہً باہر گاڑی کے ہارن کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ پھر گیٹ کی کھڑکھڑاہٹ ابھری........ غالباً منیر آ گیا تھا اور چوکیدار اس کے لئے گیٹ کھول رہا تھا۔ کھڑکی میں کھڑے ہوئے عامر نے عالیہ کے خیال کی تصدیق کر دی........ منیر آ گیا ہے۔ اس نے ناخوشگوار سے لہجے میں عالیہ کو اطلاع دی۔

چند لمحے بعد بیرونی ہال کے قفل میں چابی گھومنے اور پھر دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور اس کے چند سیکنڈ بعد منیر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔

کوٹ سے تو ابھی تک پانی ٹپک رہا تھا لیکن اسے گویا کوئی پرواہ نہیں تھی۔ عامر کی طرف اس نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے اس کے خیال میں کمرے میں عامر موجود ہی نہیں تھا۔

"تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟" وہ عالیہ کے بیڈ کے قریب پہنچ کر بولا۔

"میں اب بالکل ٹھیک ہوں........" عالیہ مسکرائی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ منیر کو اندازہ ہو چند لمحے تک بھائی بہن کے درمیان کیا گفتگو ہو رہی تھی۔ "آپ نے بہت دیر لگا دی........"

"پولیس کی کارروائی تو ابھی تک ختم نہیں ہوئی۔ میں تو پھر بھی جلدی آ گیا"۔

"آپ تو سر سے پاؤں تک بھیگے ہوئے ہیں........ جا کر سب سے پہلے کپڑے بدل لئے........" عالیہ کے لہجے میں محبتیں تھیں۔

"بدل لیں گے........ ایسی بھی کیا جلدی ہے........" منیر نے کوٹ اتار کر بے پروائی سے شاندار آرام کرسی پر پھینک دیا۔

عامر جو اب تک لاتعلقی سے ایک طرف کھڑا تھا' دروازے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے بولا........ "میں اب چلتا ہوں"۔

عالیہ اپنی پوزیشن بڑی عجیب سے محسوس کر رہی تھی۔ وہ قدرے بے چارگی سے بولی۔ "بھیا! آپ کچھ دیر اور رکتے تو اچھا تھا۔ اب میں آپ کے لئے کافی بنا کر لاتی ہوں"۔

"میرا رکنا اب ہرگز مناسب نہیں ہو گا........" عامر چبھتے ہوئے لہجے میں بولا........ "اور پھر مجھے اب سفر کی تیاری بھی کرنی ہے"۔

منیر نے اب بھی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایک ٹک صرف اپنی بیوی کو دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ چڑانے والی' خار دلانے والی مسکراہٹ........ عالیہ بھی محسوس کر رہی تھی کہ اب عامر کا چلے جانا ہی مناسب ہو گا۔

"بھیا! ہو سکے تو لاہور سے مجھے فون ضرور کیجئے گا........" عالیہ کے لہجے میں ایک

تھکی تھکی سی التجا تھی۔

"میں ضرور فون کروں گا......" عامر دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"اور تم اپنا اچھی طرح خیال رکھنا...... کسی طرف سے غافل نہ ہونا......" اس نے ہر لفظ پر خوب زور دیا تھا۔

"عالیہ کا ہر طرح سے خیال رکھنے کے لئے میں موجود ہوں......" منیر ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بول اٹھا لیکن اب گویا عامر کی باری تھی۔ اب اس نے منیر کو قطعی نظرانداز کر دیا۔ اس نے گویا منیر کی آواز سنی ہی نہیں تھی۔ صرف عالیہ کی طرف دیکھتے ہوئے وہ خداحافظ کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔ دروازہ ہلکی سی کلک کی آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔ اب کمرے میں صرف منیر اور عالیہ تھے۔ مگر عالیہ نے اپنے آپ کو بے حد تنہا محسوس کیا۔ ایک لمحے پہلے تک وہ چاہ رہی تھی کہ عامر چلا ہی جائے تو اچھا ہے لیکن اب اس کے جانے سے اس کا دل گویا بیٹھنے لگا تھا۔ اسے کچھ ایسا لگا جیسے وہ اس سے خفا تھا اور ہمیشہ کے لئے ہی اس کی زندگی سے نکل رہا تھا۔ اسے الوداع کہہ گیا تھا' ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا تھا۔

منیر نے اس کے جانے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور کپڑے تبدیل کرنے باتھ روم میں چلا گیا۔ اس کے باہر آنے تک عالیہ کافی تیار کر لائی۔ وہ اس وقت ایک دوسری آرام کرسی پر نیم دراز تھا۔ وہ اب بالکل صاف ستھرا اور تازہ دم دکھائی دے رہا تھا۔

"قاتل کے بارے میں پولیس کو کچھ معلوم ہوا؟" عالیہ کافی اس کے قریب تپائی پر رکھتے ہوئے بولی۔

"کچھ بھی نہیں......" وہ سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔ اس کا گریبان کھلا تھا اور چوڑی چھاتی کے سیاہ الجھے ہوئے بال جھانک رہے تھے۔ "اس شخص کی جیب میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں تھی جس سے اس کی شناخت میں مدد مل سکتی......"

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد عالیہ دھیمے لہجے میں بولی۔ "مجھے تو بار بار بے چارے اے ایس آئی رب نواز کا خیال آئے جا رہا ہے۔ میں اپنے آپ کو اس کا مجرم محسوس کر رہی ہوں"۔

"واہ...... یہ تو تم زبردستی ہی خواہ مخواہ کا احساس جرم اپنے اوپر سوار کر رہی ہو......" منیر کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے بولا۔ "تمہارا بھلا اس میں کیا قصور؟ تم نے تو اسے خبردار کر دیا تھا۔ آگے ان لوگوں کی اپنی ذمہ داری تھی...... لیکن انہوں نے شاید تمہاری بات پر پوری طرح یقین نہیں کیا تھا۔ میں تو کہتا ہوں اچھا ہی ہوا...... انہیں سبق حاصل ہو گیا۔ آئندہ وہ آنکھیں بند کر کے تمہاری بات پر یقین کریں گے......"

"میں کسی کو اس انداز میں سبق سکھانا ہرگز پسند نہیں کر سکتی کہ اس کی جان کے لالے ہی پڑ جائیں۔ میں اس لئے اپنے آپ کو مجرم محسوس کر رہی ہوں کہ نہ میں پولیس کی مدد کا تہیہ کرتی اور نہ اس کے پیٹ میں خنجر اترتا۔ میرے اتنے تردّد کا فائدہ تو پھر بھی کچھ خاص نہیں ہوا۔ وہ بے چاری عورت تو وحشیانہ انداز میں ماری ہی گئی......"

"کیسی بے وقوفی کی باتیں کر رہی ہو عالیہ!" منیر ملائمت سے بولا۔ "کبھی کبھی تم جذبات کی رو میں کسی معاملے کا بالکل ہی غلط زاویے سے جائزہ لینے لگتی ہو۔ فائدہ بھلا کیوں نہیں ہوا؟ وہ قاتل مارا گیا۔ عورت تو قتل ہو گئی مگر وہ اس کا آخری شکار تو ثابت ہو گی نا! اگر قاتل زندہ رہتا تو ابھی اس جیسی نہ جانے کتنی عورتوں کو اسی درندگی و سفّاکی سے موت کے گھاٹ اتارتا"۔

عالیہ ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گئی۔ منیر بولا۔ "آج کے دور میں رب نواز جیسے پولیس والوں کو دیکھ کر بہت حیرت ہوتی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ رشوت بالکل نہیں لیتا اور اب تک بہت سے خطرناک پولیس مقابلوں میں پیش پیش رہا ہے۔ اسی لئے وہ کم تعلیم کے باوجود جلدی جلدی ترقی پا کر ہیڈ کانسٹیبل سے اے ایس آئی بنا ہے۔ چند ایک سرٹیفکیٹ' تھوڑی سی ترقی اور تھوڑی سی نقد رقم۔ یہی اس کی تمام تر جانبازی کا صلہ ہے اور وہ اس پر بہت خوش رہتا ہے۔ پھولا نہیں سماتا۔ جب بھی کہیں بات نکلتی ہے تو پوری تفصیل بڑے فخر سے سناتا ہے۔ اس نے کئی ڈاکوؤں اور پیشہ ور قاتلوں سے پولیس مقابلے میں حصہ لیا ہے اور کبھی زخمی نہیں ہوا...... لیکن اسے قسمت کی ستم ظریفی ہی کہہ سکتے ہیں کہ آج اکیلے آدمی کے مقابلے میں وہ شدید زخمی ہو گیا۔ آدمی بھی وہ جس کے پاس کوئی آتشیں ہتھیار بھی نہیں تھا"۔

"بیوی بچے بھی ہوں گے اس کے"۔ عالیہ نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں پوچھا۔

"پورے سات عدد بچے ہیں اور آٹھواں دنیا میں آنے کی تیاری کر رہا ہے"۔ منیر نے بتایا۔

"آپ تو اس کے بارے میں بہت گہرائی میں جا کر معلومات حاصل کر کے لائے ہیں"۔ عالیہ حیرت سے بولی۔

"مجھے معلوم تھا تم سب سے زیادہ اسی کے بارے میں جاننا چاہو گی"۔

"آپ تو ذہن پڑھنے لگے ہیں"۔ عالیہ نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"اس شوہر کو بھلا شوہر کہلانے کا کیا حق ہے جو بیوی کا ذہن بھی نہ پڑھ سکے........" منیر کافی کا گھونٹ حلق میں اتار کر بولا۔

"مجھے یوں لگتا ہے جیسے میرے ذہن کو آپ شادی سے پہلے ہی پڑھتے چلے آ رہے ہیں"۔ عالیہ طویل سانس لے کر بولی۔

"شاید........" منیر نے مبہم لہجے میں کہا پھر ایک لمحے کے توقف سے وہ بولا۔ "رب نواز کے متعلق میں تمہیں ایک بات اور بتاؤں........ یوں تو ہر غریب سے غریب والدین کی بھی یہی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچے اعلیٰ ترین سکولوں میں پڑھیں اور بڑے افسر بنیں۔ گھروں میں برتن مانجھنے اور جھاڑو دینے والی ماسیوں سے پوچھو۔ ان بے چاریوں کی تمنا بھی یہی ہو گی کہ ان کے بچے شہر کے بہترین سکولوں میں جائیں۔ بلکہ دو ایک کو تو میں نے اس مقصد کے لئے بھاگ دوڑ بھی کرتے دیکھا ہے"۔

"یہ ایک اچھا اور تعمیری جذبہ ہے"۔ عالیہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "اگر ہم ان معصوم اور کچلے ہوئے لوگوں کی ان تمناؤں کو پورا کرنے میں کوئی مدد نہیں کر سکتے تو ہمیں کم از کم ان کا مذاق نہیں اڑانا چاہئے"۔

"میں مذاق کب اڑا رہا ہوں........" منیر قدرے تیزی سے بولا........ "میں تو تمہیں اصل بات بتانے کے لئے تمہید باندھ رہا تھا........"

"آئی ایم سوری........ میں غلط سمجھی تھی۔ چلئے اصل بات بتائیے"۔ عالیہ جلدی سے معذرت خواہانہ لہجے میں بولی۔

"میں یہ بتا رہا تھا کہ رب نواز میں یہ تمنا بہت ہی شدت سے موجود ہے کہ اس کے بچے بہترین سکول میں پڑھتے۔ اس کے ساتھیوں سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس موضوع پر بات کرتے ہوئے تو وہ گویا تڑپ اٹھتا ہے۔ ایک آدھ بچے کو اچھے سکول میں پڑھانا تو وہ کسی نہ کسی طرح افورڈ کر سکتا ہے لیکن وہ اس کے لئے بھی تیار نہیں کیونکہ وہ ان میں امتیاز کرنا نہیں چاہتا........ اس کی خواہش ہے کہ اچھے سکول میں پڑھیں تو سب کے سب ہی پڑھیں لیکن چونکہ وہ رشوت نہیں لیتا اس لئے اس کے بچے ایک عام سرکاری سکول میں پڑھتے ہیں"۔

"ایک لمحے کی خاموشی کے بعد عالیہ ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں بولی........ "منیر! ہم رب نواز کے بچوں کو اچھے سکولوں میں کیوں نہ داخل کروا دیں؟ ان کی تعلیم کی ذمہ داری لے لیتے ہیں۔ یہ بہت بڑی نیکی ہو گی........"

"مجھے معلوم تھا تم یہی کہو گی........" منیر فوراً بولا........ "کیونکہ سارے جہاں کا درد تمہارے جگر میں ہے۔ تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ اس کے چھ بچے سکول میں ہیں۔ چھ بچوں کو اچھے قسم کے پرائیوٹ سکول میں پڑھانے کا مطلب سمجھتی ہو؟ ہزاروں روپے مہینے کا مستقل خرچ ہے۔ خاصی مہنگی نیکی ہے۔ تم رہنے ہی دو........ پہلے جو چند ایک ذمہ داریاں لی ہوئی ہیں وہی کافی ہیں........"

عالیہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر رہ گئی۔ وہ منیر سے بحث و تمحیص کرنے یا اصرار سے اپنی کوئی بات منوانے کی عادی نہیں تھی۔ منیر اسے خاموش دیکھ کر ملائمت سے بولا۔

"میں جو کچھ بھی کرتا ہوں تمہارے بھلے کے لئے کرتا ہوں۔ بھلائی کے بہت سے کام کرنے کو دل تو میرا بھی چاہتا ہے لیکن یہ دنیا بہت زیادہ دکھی ہے........ تم کس کس کا مسئلہ حل کرو گی؟ کس کس کی آرزوئیں پوری کرو گی؟ اگر تم اپنے دل کے کہنے پر چلنے لگو تو اپنے سارے اثاثے لٹا دو اور معاشرے میں پھر بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تمام مسائل جوں کے توں رہیں گے۔ لوگوں کے دکھ درد اتنے ہی رہیں گے۔ ان میں کوئی کمی نہیں آئے گی........"

عالیہ گویا ڈرتے ڈرتے بولی۔ "لیکن منیر!........ اگر سب لوگ اسی طرح سوچنے

لگیں پھر تو کوئی نیکی کا کام کرنے کی زحمت ہی نہ کرے۔ یہ سارے فرشتہ صفت لوگ جو دن رات انسانیت کی خدمت میں مصروف ہیں' ہاتھ باندھ کر بیٹھ جائیں کہ ان کی کوششوں سے بھلا معاشرے میں کیا فرق پڑے گا۔ اس لئے جان ہلکان کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر سب یہی سوچنے لگیں پھر تو معاشرہ اور زیادہ بدصورت اور زیادہ ناقابلِ برداشت ہو جائے........"

ایک لمحے کے سکوت کے بعد عالیہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولی۔ "منیر! یاد ہے........ جب ہماری شادی ہوئے چند ہی روز گزرے تھے تو ہمیں ایک کالج کی تقریب میں جانے کا اتفاق ہوا تھا وہاں ایک لڑکی یونہی شغل شغل میں عورتوں کی ذہنیت کا تجزیہ کرنے کے لئے سب سے ایک سوال کر رہی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کی مرضی سے آپ کو مشین بناتا تو آپ کون سی مشین بننا پسند کرتیں؟؟"

"ہاں........ مجھے یاد ہے........" منیر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور ماحول کا تناؤ یک دم ہی بڑی حد تک کم ہو گیا۔ "عورتوں نے بڑے دلچسپ جوابات دیئے تھے۔ ایک عورت نے کہا تھا کہ وہ رولز رائس بننا پسند کرتی تاکہ بہت دولت مند لوگوں ہی کی اس تک رسائی ہوتی اور وہ نہ جانے کیسی کیسی خوبصورت جگہوں پر جایا کرتی........"

"اور آپ کو یاد ہے کہ میں نے کیا کہا تھا؟" عالیہ خوابناک سے لہجے میں بولی۔
"ہاں........ مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے"۔ منیر بولا........ "تم نے کہا تھا' میں کسی ہسپتال میں استعمال ہونے والی مشین بننا پسند کرتی جس سے بیمار اور دکھیارے لوگوں کے علاج یا تشخیص میں مدد ملتی۔ تمہارے اس جواب پر بہت تالیاں بجی تھیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ایک لمحے کے لئے مجھے تمہارا جواب یونہی ڈپلومیٹک سا محسوس ہوا تھا لیکن جلد ہی مجھے یقین ہو گیا تھا کہ تم اندر سے درحقیقت ایسی ہی ہو۔ تمہیں سب سے زیادہ خوشی دوسروں کے کام آ کر ہوتی ہے۔ اس بات کا اندازہ تو مجھے شادی سے پہلے ہی ہو گیا تھا لیکن پکا یقین شادی کے کچھ عرصے بعد ہی آیا تھا"۔

عالیہ کے ذہن میں ان دنوں کی یادیں ہلکورے لینے لگیں۔ جنہیں بیتے کچھ زیادہ مدت نہیں ہوئی تھی مگر وہ بھولے بسرے سے ہوتے جا رہے تھے۔ عالیہ کو تو یہی محسوس

ہوتا تھا جیسے منیر سے اس کی رفاقت برسوں پرانی تھی' ان کی شادی کو نہ جانے کتنے سال گزر چکے تھے اور وہ نہ جانے کب سے یونہی ایک دوسرے کے ساتھ رہتے چلے آ رہے تھے۔ نہ جانے کب سے یونہی ایک دوسرے کے لئے ناگزیر تھے۔ جب کہ حقیقتاً ان کی شادی کو پورے دس ماہ بھی نہیں گزرے تھے۔ ابھی تک ان کے ہاں پہلی اولاد کے بھی کوئی آثار پیدا نہیں ہوئے تھے اور ابھی انہیں اس ضمن میں کوئی تشویش بھی نہیں تھی۔ ابھی وہ ایک دوسرے میں ہی گم تھے........ کم از کم منیر کو تو ابھی بچے کی خواہش بالکل نہیں تھی۔

عالیہ کو وہ دن یاد آیا جب اس کی نظر پہلی بار منیر پر پڑی تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ پہلی بار منیر کو دیکھ کر وہ ذرا خوفزدہ سی ہو گئی تھی۔ اس کے ذہن کے کسی تاریک نہاں خانے میں یخ بستگی سی پھیل گئی تھی جس کا کچھ اثر اس کی رگ و پے میں بھی در آیا تھا۔ اسے ہلکی سی جھرجھری آ گئی تھی۔ مگر اب اسے وہ وقت یاد کر کے ہنسی آتی تھی۔ اس وقت اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ جس شخص کو دیکھ کر وہ خوفزدہ سی ہو گئی ہے وہ ایک روز اس کا شوہر ہو گا۔ اس کے بازوؤں کی پناہ میں وہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ محفوظ محسوس کرے گی۔

بات زیادہ پرانی نہیں تھی۔

ان دنوں بھی اس کے پاس حاجت مندوں اور سائلوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ کوٹھی کے برآمدے اور پورچ وغیرہ میں لوگ بھرے رہتے تھے۔ عامر باری باری ایک ایک فرد سے تین چار ابتدائی سوالات کرتا تھا کہ آیا اس کا مسئلہ لائقِ توجہ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ پھر وہ اسے اس کمرے میں بھیج دیتا تھا جہاں عالیہ انتہائی پاکیزہ اور پُرسکون ماحول میں بیٹھی ہوئی تھی۔

تخلیئے میں سائل' سکون اور بے خوفی سے اپنا مسئلہ بیان کرتا تھا اور عالیہ اس کی جو بھی مدد کر سکتی تھی' کرتی تھی۔ بعض اوقات تو وہ کسی کو کوئی تعویذ' کوئی آیت لکھ کر نہیں دیتی تھی۔ کوئی وظیفہ یا کوئی روحانی طریقہ نہیں بتاتی تھی۔ صرف مشورہ دیتی تھی لیکن اس مشورے سے بھی سائل مطمئن ہو کر چلا جاتا تھا۔ اس کا آدھا مسئلہ گویا وہیں حل ہو جاتا

تھا۔

لوگ اپنی نجی زندگی کے ایسے ایسے لرزہ خیز مسائل لے کر اس کے پاس آتے کہ اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ بسا اوقات تو وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی کہ کیا وہ واقعی ان کی کوئی مدد کر سکتی ہے؟ لیکن ان کی تشفّی کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ضروری محسوس ہوتا۔ لوگوں کو مایوس واپس بھیجنا بھی اسے ایک گناہ سا محسوس ہوتا۔

بعض لوگوں کے نجی مسائل ایسے گھناؤنے ہوتے کہ عالیہ کے رعب تقدس کے باعث وہ انہیں خود اپنی زبان سے بیان کرنے کا حوصلہ نہ کر پاتے۔ ایسے سائل مرد یا عورتیں اپنا مسئلہ کاغذ پر لکھ کر لاتیں اور خاموشی سے عالیہ کی طرف بڑھانے کے بعد ندامت کے سے عالم میں سر جھکا کر بیٹھ جاتیں۔

دن رات حاجت مندوں کے مسائل سن سن کر عالیہ کا بیکراں ذہن بھی الجھ سا جاتا۔ وہ محسوس کرتی کہ معاشرہ دن بدن ایک دلدل میں اترتا جا رہا تھا۔ علماء کا یہ کہنا تو اپنی جگہ درست تھا کہ مذہب سے دوری کی وجہ سے لوگ روز بروز نت نئے مسائل میں گرفتار ہو رہے تھے لیکن عالیہ کے خیال میں اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لوگوں نے صرف مذہبی ہی نہیں بلکہ ہر قسم کے اصولوں کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ اخلاقی، سماجی یا سائنسی کسی بھی ضابطہ کے پابند نہیں رہے تھے لوگ۔

اپنی خواہشوں کی تکمیل کے لئے لوگ ہر اصول کو نظرانداز کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ کسی کی غرض سیاسی تھی، کسی کی مالی اور کسی کی جسمانی اور کوئی اپنے ارادوں میں کامیابی چاہتا تھا۔ کوئی سراپا خواہشوں ہی خواہشوں کا مجموعہ تھا۔ ہر طرح کی خواہشوں کا پشتارہ کندھے پر لادے ہوئے تھا۔ ان کی تکمیل کے لئے لوگ جب ہر حد پھلانگ جاتے تھے تو آگے چل کر طرح طرح کے مصائب میں گرفتار ہوتے تھے۔

عمومی تکلیفیں اس کے علاوہ تھیں۔ جو عموماً قدرتی یا سماجی حالات کی پیداوار ہوتی ہیں۔ دکھ بیماری، بے روزگاری، افلاس، شادی بیاہ کے مسائل اور وہ مسائل جو سماج کے غلط نظام کی پیداوار ہوتے ہیں۔

یہ سب کچھ عالیہ کے سامنے تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیونکر

معاشرے کے سدھار میں کوئی قابلِ ذکر کردار ادا کر سکتی ہے۔ مذہب پر اس کا مطالعہ خاصا تھا لیکن وہ ہنوز اپنے آپ کو طفلِ مکتب اور ایک گناہگار سی انسان ہی سمجھتی تھی۔ اس لئے خالصتاً مذہبی انداز میں لوگوں کی رہنمائی کی ذمہ داری بھی لینا نہیں چاہتی تھی۔ فلسفے کی روشنی میں بھی لوگ اپنا تجزیہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے تھے۔ فلسفہ لوگوں کو بہت خشک لگتا تھا۔ اخلاقیات سے لوگوں کو کوئی خاص دلچسپی نہیں رہی تھی۔ وعظ نصیحت وہ سننا نہیں چاہتے تھے۔ قہراً و جبراً سن بھی لیتے تھے تو اس پر عمل کون کرتا تھا؟ کوئی بھی نہیں۔

بہرحال اس کے باوجود اس نے ہر شام اپنی کوٹھی کے احاطے میں ہی لیکچرز کا ایک سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ ہر شام اس کے معتقدین کی ایک خاصی معقول تعداد جمع ہوتی اور وہ نہایت عام فہم اور ہلکے پھلکے انداز میں صرف آدھے یا پون گھنٹے کا ایک لیکچر دیتی۔ اس کا انداز نہایت شگفتہ ہوتا۔ کبھی کبھی تو وہ موقع کی مناسبت سے لطیفے بھی سناتی۔ وہ وعظ و نصیحت قطعاً نہ کرتی تھی لیکن اس کے لیکچر میں مذہب، فلسفے، اخلاقیات اور سماجیات سبھی کا تھوڑا تھوڑا رنگ ہوتا۔

اس کے لیکچر کا خلاصہ عموماً یہی ہوتا تھا کہ انسان کے زیادہ تر مسائل اس کے اپنے ہی اعمال کی پیداوار ہوتے ہیں۔ انسان جس حد تک بھی اپنی اصلاح کرلے اسی حد تک وہ مسائل سے بھی چھٹکارا پاتا چلا جائے گا اور دوسروں کی مدد کا محتاج بھی نہیں رہے گا۔ اسے حکومتوں، پیروں فقیروں، معاشرے کے ٹھیکیداروں وغیرہ کی مدد کی ضرورت بہت کم پڑے گی۔

عالیہ کا انداز بہت دلنشین اور عام فہم ہوتا تھا۔ کچھ اس کی اجلی اجلی شخصیت کا بھی اثر تھا۔ لوگ اس کی باتیں بہت سنجیدگی، بہت توجہ سے سنتے تھے اور عالیہ محسوس کرتی کہ وہ لوگ کچھ نہ کچھ اثر بھی لیتے تھے۔ وہ یہی سوچتی کہ اگر اس کی وجہ سے چند لوگوں کی زندگیاں بھی سنور گئیں تو وہ یہی سمجھے گی کہ اس نے زندگی کا قرض چکا دیا اور اس دنیا میں اپنے آنے کا کچھ نہ کچھ جواز فراہم کر دیا۔

ایسے ہی ایک لیکچر کے دوران ایک روز اچانک اس کی نظر کونے میں بیٹھے ہوئے

ایک شخص پر پڑی تھی۔

ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ دانستہ طور پر دیگر حاضرین میں مدغم ہونے کی کوشش کر رہا ہے لیکن اس کا ڈیل ڈول اور چہرہ مہرہ کچھ ایسا تھا کہ وہ اس چھوٹے سے اجتماع میں نمایاں نظر آ رہا تھا۔ وہ دراز قد اور سانولا تھا۔ مضبوط جثے کا مالک تھا۔ اسے بدصورت تو نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن اس میں وجاہت کا بھی کوئی شائبہ نہیں تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی سب سے پہلا احساس کھردرے پن کا ہوتا تھا۔ وہ سراپا کرختگی تھا۔

وہ معمولی سی پینٹ شرٹ میں تھا اور دیگر تمام لوگوں کی طرح فرش پر دوزانو بیٹھا تھا۔ بال قدرے الجھے ہوئے' کچھ بکھرے ہوئے سے تھے۔ موٹی موٹی آنکھوں میں سرخ ڈورے تیر رہے تھے۔ لیکن عالیہ کے دل نے گواہی دی کہ یہ خمار کے ڈورے نہیں تھے۔ شاید وہ راتوں کو دیر تک جاگنے کا عادی تھا۔

وہ بس ایک ٹک عالیہ کی طرف دیکھے جا رہا تھا........ اور یہی وہ لمحہ تھا جب عالیہ کے نازک اور گداز بدن میں خفیف سی جھرجھری آ گئی۔ لیکن سفید دوپٹے کے حلقے میں چھپے ہوئے اپنے کانوں کی لویں اسے تپتی محسوس ہوئیں۔

○---------☆---------○

آج تک یوں کسی نے ایک ٹک عالیہ کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اس کے ہاں آنے والے عقیدت مندوں اور حاجت مندوں میں ہر قبیل کے مرد اور عورتیں ہوتی تھیں۔ اگر کوئی اس طرح لمبے وقفے کے لئے اس کی طرف دیکھتا بھی تھا تو بالآخر احترام سے نظر جھکا لیتا تھا۔ خصوصاً جب عالیہ کسی کی طرف دیکھنے لگتی تھی تو وہ زیادہ دیر اس سے نظر نہیں ملا سکتا تھا۔ بالاخر نظر جھکا لیتا تھا۔ حالانکہ خود عالیہ کو اپنی آنکھوں میں کوئی ایسی خصوصیت محسوس نہیں ہوتی تھی کہ کوئی اس سے نظر چرانے پر مجبور ہو جائے۔ اس نے بارہا آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بھی اپنی آنکھوں کا بغور مشاہدہ کیا تھا مگر اسے کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی تھی۔

لیکن اس شخص سے عالیہ کی نظر ملی تھی تو خود عالیہ کا نظر چرانے کو جی چاہنے لگا تھا۔ حالانکہ اس شخص کی آنکھوں میں عالیہ کے لئے احترام اور عقیدت تھی مگر اس کے ساتھ

ہی ایک عجیب سی پکار بھی تھی اور ایک بے عنوان طلب بھی۔

بالآخر اس نامعلوم شخص نے نظر جھکا لی مگر عالیہ کے جسم میں جو ارتعاش سا آیا تھا وہ دیر تک ختم نہ ہوا۔ بمشکل اس نے لیکچر ختم کیا آج اپنے لیکچر سے وہ خود بھی مطمئن نہیں ہوئی تھی۔

لوگ اٹھ اٹھ کر جانے لگے۔ بالآخر برآمدہ اور لان خالی ہو گیا وہ سب سے آخر میں اٹھا اور مڑ کر گیٹ کی طرف جانے کے بجائے برآمدے کے قریب عالیہ کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اب اس کی آنکھوں میں وہ بے باکی' وہ پکار' وہ طلب نہیں رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ محض ایک رو تھی جو آ کر گزر گئی تھی اور اس میں اس شخص کے ارادے یا سوچوں کو کوئی دخل نہیں تھا۔

اب تو وہ نہایت شرمیلے اور ڈھیلے ڈھالے سے انداز میں سر جھکائے کھڑا تھا اور مضطربانہ سی کیفیت میں ہاتھ بھی مسل رہا تھا۔ اس جیسے ڈیل ڈول کے آدمی کا یوں کھڑا ہونا قدرے عجیب بھی لگ رہا تھا عالیہ کے جسم میں اب وہ ارتعاش نہیں تھا جو اس نے پہلی بار اس شخص سے نظر ملنے پر محسوس کیا تھا۔

اس وقت عامر بھی گھر پر نہیں تھا۔ ایک ملازمہ قریب موجود تھی جو سر جھکائے کھڑی اپنے ناخن دیکھ رہی تھی۔ بالآخر عالیہ کو ہی اس شخص سے پوچھنا پڑا۔ "آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے؟"

اس نے زبان سے کوئی جواب نہ دیا بزدل اور شرمیلے سے بچوں کی طرح صرف اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ عالیہ ملائمت سے بولی۔ تو پھر کل صبح آٹھ بجے سے ایک بجے کے درمیان کسی وقت آئیے گا۔ اور اپنی باری آنے پر میرے کمرے میں آ کر اپنا مسئلہ بیان کیجئے"۔

وہ اب بھی منہ سے کچھ نہ بولا۔ خاموشی سے اثبات میں سر ہلا کر اور تشکر بھرے سے انداز میں ایک نظر عالیہ کی طرف دیکھ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا گیٹ کی طرف چلا گیا۔ عالیہ اٹھ کر اندر آ گئی۔

اس رات وہ بہت دیر تک اس شخص کے بارے میں سوچتی رہی۔ بارہا اس نے یہ

بھی سوچا کہ کیا اس شخص میں کوئی ایسی بات تھی کہ اس جیسی عورت اس کے بارے میں اتنی دیر سوچ سکے؟ اس نے آج تک کبھی کسی مرد کے بارے میں اس طرح نہیں سوچا تھا۔ سچی بات تو یہ تھی کہ اس نے کبھی لڑکی بن کر کسی مرد کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔ بلکہ اسے تو شاید یاد ہی نہیں رہا تھا کہ وہ ایک لڑکی ہے اور پھر اس شخص میں تو ایسی کوئی خوبی بھی نہیں تھی۔ اس کی مجلسوں میں تو بڑے بڑے خوبرو اور آسودہ حال لوگ حاضری دے چکے تھے۔ کبھی اس نے کسی پر ایک سے دوسری نظر نہیں ڈالی تھی۔ تو پھر......؟ وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکی۔ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی۔

دوسرے روز عالیہ کو اپنے کمرہ خاص میں بیٹھے تقریباً دو گھنٹے ہوئے تھے اور وہ پچیس تیس حاجت مندوں سے ملاقات کر چکی تھی جب جالی دار دروازہ کھول کر وہی شخص ہچکچاہٹ آمیز انداز میں اندر آ گیا۔ قالین پر بے داغ چاندنی بچھی ہوئی تھی اور عالیہ ایک دیوار کے قریب گاؤ تکیوں کے سہارے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے اور سائل کے درمیان گویا حد فاصل قائم رکھنے کے لئے اس کے سامنے ایک پتلی سی بینچ پڑی ہوئی تھی جس پر اس کی کچھ کتابیں اور رائیٹنگ پیڈ وغیرہ رکھا ہوا تھا۔

وہ آ کر بینچ کے دوسری طرف بیٹھ گیا وہ اب پھر ایک شرمیلا سا آدمی نظر آ رہا تھا۔ جیسے اسے عورتوں سے بات کرنے کا کوئی تجربہ نہ ہو بلکہ تخلیئے میں تو کسی سے بات کرنے کا اتفاق ہی نہ ہوا ہو۔ عالیہ نے آج اس کے مقابل اپنے آپ کو کافی پُرسکون اور پُراعتماد محسوس کیا۔ گو اس کے اعصاب میں اب بھی خفیف سا ارتعاش تھا مگر اس کی آنکھیں کسی خشک جھیل کی طرح پُرسکون تھیں۔ اب وہ اس شخص سے نظر ملا سکتی تھی۔

"جی فرمایئے؟" عالیہ کو اس سے پوچھنا پڑا۔

"وہ...... دراصل میرا مسئلہ کچھ عجیب سا ہے"۔ وہ گھٹنے موڑ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ اس کا گریبان کھلا تھا چوڑی چھاتی پر گھنے بال تھے اس نے عالیہ کی نظریں اپنے گریبان کی طرف جاتی محسوس کر لیں۔ گو عالیہ کے چہرے پر ناگواری کے آثار نہیں ابھرے تھے۔ مگر اس نے جلدی سے معذرت خواہانہ انداز میں گریبان کے بٹن بند کر لئے اور سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے بولا۔ "میری ایک چیز گم ہو گئی ہے۔ بظاہر وہ کوئی قیمتی چیز بھی نہیں۔ دیکھا

جائے تو معمولی سا کاغذ کا ایک پرزہ ہے لیکن وہ کم از کم میرے لئے بہت اہم ہے...... اور شاید دوسروں کے لئے بھی......"

عالیہ نے کوئی سوال نہ کیا۔ ایک ٹک اس کی طرف دیکھتی رہی اور اس کے مزید بولنے کی منتظر رہی۔ اجنبی کی آنکھوں میں آج بھی گلابی ڈورے تھے اور بال بے ترتیب ہی تھے۔ کچھ تو ویسے ہی اس کی شخصیت میں وجاہت کے مروّجہ معیاروں کے مطابق کوئی خوبصورتی نہیں تھی اوپر سے وہ اپنے بارے میں بہت بے پرواہ بھی معلوم ہوتا تھا لیکن شاید یہی اس سانولے آدمی کی وجاہت تھی۔ اپنے آپ سے اس کی بے پروائی نے ہی اسے پُرکشش بنا دیا تھا۔ اس میں کوئی بات تھی ضرور اس کے لمبے چوڑے سراپا میں مقناطیسیت پنہاں ضرور تھی۔ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کون اسے محسوس کر سکتا تھا اور کون نہیں۔

ایک لمحے کے بوجھل سکوت کے بعد وہ بولا۔ "ایک خاصے بڑے سرکاری صنعتی ادارے کا اسکینڈل ہے۔ میں نے اس کے بارے میں کچھ ضروری اعداد و شمار اور تاریخیں ایک کاغذ پر نوٹ کی تھیں...... اور کاغذ کا وہ پرزہ اپنے پرس میں رکھا تھا۔ ابھی میں اسے دوبارہ نہیں دیکھ پایا تھا کہ وہ میرے پرس سے غائب ہو گیا صرف وہی پرزہ غائب ہوا ہے...... اور کچھ بھی نہیں مجھے اس کی اشد ضرورت ہے اس کا تعلق کئی بڑے بڑے افسروں کے بہت بڑے گھپلے سے ہے"۔

عالیہ نے اس سے نہیں پوچھا کہ وہ کیا کام کرتا تھا اور اسے کیوں دوسروں کے گھپلوں سے دلچسپی تھی۔ اس کے بجائے وہ ملامت سے بولی۔ "دوسروں کی ٹوہ میں رہنا اچھی بات نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو یہ بات سخت ناپسند ہے"۔

"لیکن میرا خیال ہے کہ بے ایمان' بددیانت اور خلقِ خدا کو نقصان پہنچانے والے لوگوں کی ٹوہ میں رہنا کوئی بری بات نہیں۔ ہمارے مذہب میں حقوق العباد کی تو سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ آپ کو معلوم ہے جب سے کارخانے قومی ملکیت میں لئے گئے ہیں تب سے بعض افسروں نے کیسی دھاندلی مچائی ہوئی ہے۔ دوسری نوعیت کی بے ایمانیاں اور بدعنوانیاں تو اپنی جگہ لیکن اب تو وہ عوام کی صحت اور ان کی زندگیوں سے کھیلنے سے بھی

دریغ نہیں کرتے۔ کچھ عرصے سے گھی کے ایک کارخانے سے ڈبوں کی جو کھیپ باہر آ رہی ہے اس میں ایک تو تیل ہی نہایت مضر صحت استعمال کیا جا رہا ہے اوپر سے ڈبے تیار کرنے کے لئے ٹین انتہائی گھٹیا اور سستی قسم کا خریدا گیا ہے جس میں اندرونی طرف زنگ لگا ہوا ہے اور آپ کو شاید معلوم ہو کہ کھانے پینے کی کسی چیز میں اگر زنگ کیمیائی طور پر شامل ہو جائے تو صحت کے لئے مضر بلکہ مہلک بھی ثابت ہو سکتا ہے لیکن ان لوگوں کو کسی بات کی کوئی پروا نہیں۔ میں نے ان کی اس بدعنوانی کے بارے میں کچھ ثبوت بڑی مشکلوں سے حاصل کئے تھے لیکن وہ چھوٹا سا کاغذ کا پرزہ کسی نے میرے پرس سے نکال لیا۔ اگر آپ اس کی بازیابی میں میری مدد کر سکیں تو یہ ایک طرح سے انسانوں کی خدمت ہوگی۔ اب اس کے لہجے میں روانی اور اعتماد آ چکا تھا۔

عالیہ نے اب بھی اس سے نہیں پوچھا کہ وہ کیا کام کرتا ہے اور کسی کی بدعنوانی کا ثبوت حاصل کر کے وہ کس طرح اس کا احتساب کرے گا اور کس طرح حقوق العباد پورے کرنے میں ہاتھ بٹائے گا۔ اس نے صرف ایک لمحے کچھ سوچا گویا فیصلہ کر رہی ہو کہ اس شخص کی مدد کرنا مناسب ہے یا نہیں۔

بالآخر وہ گہری سانس لے کر بولی۔ ”کیا آپ کے پاس اس وقت وہ پرس موجود ہے جس میں کاغذ کا وہ پرزہ موجود تھا؟“

”جی ہاں“۔ اجنبی نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”اسے نکال کر میرے سامنے بینچ پر رکھ دیجئے۔ میں اپنی سی کوشش کرتی لیکن میں کامیابی کا دعویٰ نہیں کرتی“۔ عالیہ نے پُروقار لہجے میں کہا۔

اجنبی نے پرس نکال کر اس کے سامنے بینچ پر رکھا عالیہ اسے چھوئے بغیر چند لمحے گھورتی رہی پھر اس نے آہستگی سے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اپنی تمام تر ذہنی طاقت کو ایک نقطے پر مرکوز کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ بالآخر وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گئی اور پھر اس کا تخیّل گویا دھیرے دھیرے فضاؤں میں ہلکورے لینے لگا۔ اس کی غیبی آنکھ کام کرنے لگی۔

وہی پرس جسے اس نے چند لمحے کھلی آنکھوں سے دیکھا تھا اسے چشم تصور سے

دکھائی دینے لگا۔ وہی سانولا سا شخص جو اس کے پاس سائل بن کر آیا تھا اسے ایک تنگ سے کمرے میں پرانی سے میز پر بیٹھا نظر آیا پرانی سے میز پر کاغذوں اور اخباروں کا انبار تھا اس شخص کے سامنے ایک نوعمر لڑکا ہاتھوں میں کیتلی اور تین چار کپ اٹھائے کھڑا تھا۔ شاید وہ چائے والا تھا اور اس سے پیسے مانگ رہا تھا۔

اس شخص نے جیب سے پرس نکالا۔ چائے والے کو پیسے دیئے اور بے خیالی میں پرس میز پر ہی رکھ دیا۔ چائے والا چلا گیا۔ اسی دوران کسی نے آواز دی۔ ”منیر! یہاں آؤ...... ذرا بات سنو“۔

وہ شخص تیزی سے اٹھا اور کہیں چلا گیا۔ وہ عالیہ کے دائرہ بصارت سے باہر ہو گیا اسی دوران ایک اور شخص میز کے قریب آیا اس نے دزدیدہ سی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا اور منیر کا پرس اٹھا لیا۔ اس نے پرس کھول کر پیسوں کو ذرا بھی نہیں چھیڑا۔ پرس میں کاغذ کے بہت سے چھوٹے بڑے، تڑے مڑے ٹکڑے ٹھنسے ہوئے تھے۔ وہ انہی کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس نے کاغذ کا ایک نسبتاً ذرا بڑا ٹکڑا جلدی سے جیب میں ٹھونسا اور پرس واپس میز پر رکھ کر کہیں چلا گیا۔ وہ بھی عالیہ کے دائرہ بصارت سے باہر ہو گیا۔ عالیہ کو وہ میز بالکل اسی طرح دکھائی دے رہی تھی جیسی کسی اسٹیج پر ڈرامے کا کوئی منظر ہو اور اسپاٹ لائٹ کے ذریعے صرف میز اور اس کے آس پاس کا کچھ حصہ دکھایا جا رہا ہو۔ اس سے آگے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہو۔

چند لمحے بعد منیر واپس روشنی کے دائرے میں آ گیا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ بے خیالی کے سے عالم میں اس نے اپنا پرس اٹھا کر جیب میں رکھا اور کاغذ قلم سنبھال کر جلدی جلدی کچھ گھسٹنے لگا۔ عالیہ کو جو کچھ دیکھنا تھا وہ دیکھ چکی تھی۔ اس نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھول دیں۔

سائل اس کے سامنے بیٹھا پُراشتیاق نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عالیہ نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔ ”آپ کا نام منیر ہے نا؟“

”جی ہاں...... لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا؟“ وہ قدرے حیرت سے بولا۔ عالیہ ہولے سے مسکرا دی۔ وہ صرف اتنی سی بات پر حیران تھا۔ ابھی تو عالیہ اسے بہت کچھ

بتانے والی تھی۔ نام پوچھنے سے اس کا مقصد یہ تصدیق کرنا تھا کہ اس کے تخیّل نے اس کی صحیح رہنمائی کی تھی یا نہیں؟

وہ منیر کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے بولی۔ "منیر صاحب! میں یہ نہیں بتا سکتی کہ یہ کس دن کا واقعہ ہے لیکن اس روز آپ دفتر میں بیٹھے کام کر رہے تھے۔ آپ نے چائے والے کو پیسے دینے کے لئے پرس نکالا۔ اسی دوران کسی نے آپ کو پکارا اور آپ بے خیالی میں پرس میز پر ہی رکھ کر چلے گئے۔ اس دوران ایک صاحب میز کے قریب آئے۔ انہوں نے نیلی پینٹ اور سفید قمیض پہنی ہوئی تھی۔ پکی عمر کے تھے۔ منہ میں پان تھا......... وہ سیدھی مانگ نکالے ہوئے تھے......... موٹے موٹے عدسوں کی عینک لگائے ہوئے تھے......... رنگت گندمی تھی......... قد درمیانہ تھا......... پیٹ ذرا نکلا ہوا تھا۔ انہوں نے آپ کے پرس سے وہ کاغذ نکالا تھا جس کی آپ کو تلاش ہے"۔

"میں سمجھ گیا......... میں سمجھ گیا"۔ منیر پُرجوش سے لہجے میں بولا۔ "وہ یقیناً" حامد تھا۔ مجھے پہلے ہی اس پر شک تھا۔ وہ میرے دفتر میں ہی کام کرتا ہے۔ پہلے بھی دو ایک مرتبہ خاصے اہم اسکینڈلز کے سلسلے میں میرے حاصل کئے ہوئے ثبوت چوری ہو چکے ہیں اور پھر ان اسکینڈلز کے بارے میں حامد نے ہی خبریں بنا کر دی تھیں میں سمجھ لوں گا اس سے"۔

اس کا لہجہ خطرناک سا ہو گیا تھا لیکن پھر گویا اسے یاد آیا کہ وہ کہاں اور کس کے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔ یکدم بدلے بدلے سے لہجے میں ملائمت سے بولا۔ "آپ نے تو کمال ہی کر دیا۔ فرمایئے......... میں آپ کی کیا خدمت کروں؟" اس نے پرس بینچ سے اٹھا لیا۔

"اس سوال سے آپ کی مراد کیا ہے؟" عالیہ نے نرمی سے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے......... کہ......... وہ......... کچھ نذرانہ وغیرہ.........؟" وہ کچھ گڑبڑا سا گیا اور ایک بار پھر اس کے لہجے میں ہچکچاہٹ سی آگئی۔

"میرا کوئی نذرانہ مقرر نہیں ہے"۔ عالیہ آہستگی سے بولی۔ "باہر میرے بھائی کے پاس ایک صندوقچہ رکھا ہے آپ کو جو بھی خوشی ہو' جو کچھ بھی آپ آسانی سے افورڈ کر سکتے ہوں وہ اس میں ڈال جایئے گا اور اگر آپ کا دل نہ چاہے یا آپ افورڈ نہ کر سکتے ہوں

تو آپ اس صندوقچے میں کچھ ڈالے بغیر بھی جا سکتے ہیں۔ کوئی آپ کو روک کے ٹوکے گا نہیں۔ کوئی آپ سے کچھ نہیں مانگے گا۔ کوئی سوال نہیں کرے گا"۔

منیر کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ وہ دم بخود سا کھڑا تھا۔ بالآخر عالیہ نے ہی سکوت توڑا۔ "اب براہِ کرم آپ جائیں۔ دوسروں کو بھی اپنے مسائل بیان کرنے کا موقع دیجئے۔ پچاسوں لوگ اپنی باری کے منتظر ہوں گے"۔

منیر نے اس کا شکریہ ادا کیا اور رخصت ہو گیا۔

دوسرے دن لیکچر میں وہ پھر موجود تھا اور حسبِ سابق ایک ٹک عالیہ کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن عالیہ اب اس کی نگاہوں کے باعث اپنے آپ کو بے چین یا مضطرب محسوس نہیں کر رہی تھی۔ اس کے اعصاب میں ارتعاش بھی نہیں تھا اس کے رگ و پے میں اب تو ایک ہلکا سا سرور' خفیف سا خمار تیر رہا تھا۔ کیونکہ ان نگاہوں میں اس کے لئے صرف عقیدت اور تشکر ہی نہیں' پسندیدگی اور پرستش بھی تھی۔ اس شخص کو بس گویا ایک طرف بیٹھ کر عالیہ کو تکتے رہنے کے سوا دنیا میں کوئی کام ہی نہیں تھا۔

لیکچر ختم ہوتا تو وہ سب سے آخر میں اٹھ کر تھکے تھکے سے قدموں سے گیٹ کی طرف چل دیتا مگر راستے میں بھی مُڑ مُڑ کر یوں عالیہ کی طرف دیکھتا رہتا گویا کوئی مجبوری اسے باہر لے جا رہی ہو ورنہ اس کا اپنا تو جانے کا کوئی ارادہ معلوم نہیں ہوتا تھا۔

عالیہ دن گنتی رہی۔ پورے ایک ماہ تک وہ باقاعدگی سے آتا رہا۔ عورتوں یا مردوں میں سے عالیہ کا کوئی بھی عقیدت مند اس طرح بلاناغہ نہیں آتا تھا۔ چہرے بدلتے رہتے تھے۔ مگر منیر اپنی مخصوص جگہ پر روز موجود ہوتا تھا۔ عالیہ کے باہر آنے سے پہلے ہی وہ حاضری کے ہجوم میں سب سے آخر میں بیٹھا ہوتا تھا لیکن عالیہ کو یوں لگتا جیسے وہ سب سے آگے' اس کے بہت قریب بیٹھا ہو۔ پہلے روز عالیہ کو اس کی موجودگی کی وجہ سے لیکچر جاری رکھنا مشکل محسوس ہوا تھا لیکن اب اسے یوں لگتا تھا کہ کسی روز وہ موجود نہ ہوا تو شاید وہ لیکچر نہ دے سکے۔

ایک روز جب کہ عامر یا کوئی ملازمہ وغیرہ برآمدے میں موجود نہیں تھی' منیر حسب معمول سب آخر میں باہر جانے لگا تو عالیہ نے اسے روک لیا۔ عالیہ کا اشارہ پا کر وہ لمبے

لمبے ڈگ بھرتا برآمدے میں آگیا۔ عالیہ نے اسے سامنے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ یوں جلدی سے بیٹھ گیا جیسے اس اعزاز سے نوازا جانے کا اس نے کبھی سوچا بھی نہ ہو۔

"آپ نے بتایا ہی نہیں کہ آپ کا وہ اہم کاغذ کا ٹکڑا مل گیا تھا یا نہیں؟" عالیہ اپنے مخصوص مدھم اور ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولی۔

"جی ہاں...... وہ تو اسی روز مل گیا تھا جس روز آپ نے اس کے بارے میں بتایا تھا"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "آپ نے بالکل صحیح نشاندہی کی تھی۔ چور میرے دفتر ہی کا آدمی تھا۔ میں نے جا کر اسے گریبان سے پکڑا اور دو گھونسے...... میرا مطلب ہے کہ میں نے ذرا سی سختی کی تو اس نے فوراً ہی اعتراف کر لیا اور یوں وہ کاغذ نکال کر دے دیا۔ شکر ہے ابھی وہ صحیح طور پر ان نوٹس کا مطلب نہیں سمجھ پایا تھا"۔

"آپ میرے لیکچرز میں بڑی باقاعدگی سے آ رہے ہیں......"

"اچھا...... تو آپ کو معلوم ہے؟ میں تو سمجھتا تھا کہ اتنے لوگوں میں آپ کی مجھ پر نظر ہی نہیں پڑتی ہو گی"۔ وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے پُراشتیاق سے لہجے میں بولا۔ "حیرت ہے......! میں کبھی محسوس نہیں کر سکا کہ آپ نے مجھے دیکھا ہے"۔

عالیہ کو اپنے کانوں کی لویں ذرا تپتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ وہ جلدی سے بولی۔ "میں پوچھنا یہ چاہ رہی تھی کہ آپ کو میرے لیکچرز سے کوئی فائدہ بھی پہنچا؟ زندگی کو کچھ سنوارنے، کسی مسئلے کو سمجھنے یا سلجھانے میں کوئی مدد ملی یا نہیں؟ کیونکہ میرے اس سلسلے کا مقصد درحقیقت یہی ہے"۔

وہ گڑبڑا سا گیا۔ اپنے بڑے بڑے مضبوط ہاتھوں کو پھیلا کر بغور ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "وہ...... جی...... میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ میں اپنی زندگی سے کچھ ایسا غیر مطمئن یا ناآسودہ نہیں ہوں کہ اسے زیادہ سنوارنے کی ضرورت محسوس کروں۔ میں قناعت پسند آدمی ہوں۔ بس جو ہے' ٹھیک ہے...... جیسی گزر رہی ہے ٹھیک ہی گزر رہا ہے۔ میری زندگی میں مسئلہ بھی کوئی خاص نہیں ہے لیکن پھر بھی...... بہرحال میں نے آپ کی باتوں سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ میں انہیں یاد رکھنے کی کوشش کروں گا۔ شاید زندگی کے کسی موڑ پر بہت کام آئیں......" وہ مبہم سے انداز میں خاموش ہو گیا۔ پھر

اس نے سر اٹھا کر اس الجھن زدہ سی نظروں سے عالیہ کی طرف دیکھا۔ عالیہ کے دل کی ہموار دھڑکنوں میں یک لخت ہی ہلکا سا تلاطم آگیا۔ کچھ عجیب سا ہی آدمی تھا وہ!

"سچی بات تو یہ ہے جی......" وہ اس سے نظر چراتے ہوئے بولا۔ "کہ...... کہ...... میں صرف آپ کو دیکھنے کے لئے یہاں آتا ہوں"۔

اتنی سادگی اور خلوص سے اس نے یہ الفاظ کہے تھے کہ ایک لمحے کے لئے عالیہ کی روح کے تار جھنجھنا اٹھے۔ وہ سکتے کی سی کیفیت میں بیٹھی اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ وہ یہ بھی فیصلہ نہ کر سکی کہ ان الفاظ پر اسے کیا ردِّعمل ظاہر کرنا چاہئے۔ منیر یوں سر جھکائے بیٹھا تھا جیسے بہ زبان خاموشی کہہ رہا ہو۔ "میں نے اعترافِ جرم کر لیا ہے۔ اب آپ جو بھی سزا دیں مجھے قبول ہے"۔

عالیہ شاید یہ سوچنا ہی بھول گئی تھی کہ زندگی میں کبھی کوئی اس سے بھی اس قسم کی بات کرے گا۔ وہ جس کالج میں پڑھتی تھی وہاں مخلوط تعلیم تھی۔ ایک سے ایک چلبلا لڑکا موجود تھا وہاں۔ مگر وہاں بھی کسی نے اس سے یہ نہیں کہا تھا۔ یونیورسٹی میں بھی ہر طرح کے لڑکے اس کے کلاس فیلوز رہے تھے۔ بااعتماد' پُروقار' سنجیدہ اور وجیہہ بھی...... چھچھورے اور منہ پھٹ بھی...... میچور اور مخلص نظر آنے والے بھی۔ فلرٹ اور دل پھینک دکھائی دینے والے بھی۔ مگر کسی نے بھی تو اس سے نہیں کہا تھا کہ آپ کو دیکھنا مجھے بھلا لگتا ہے یا میں آپ کو دیکھنے کے لئے یونیورسٹی آتا ہوں۔

اس نے اپنے سے کہیں کم رو لڑکیوں کے افیئر چلتے دیکھے تھے جن میں بعض کا اختتام شادی پر ہوا تھا۔ عہد و پیمان ہوتے دیکھے تھے جن میں سے کچھ بار آور ثابت ہوئے تھے اور کچھ بے ثمر۔ اس نے کتنی ہی محبتیں پروان چڑھتے دیکھی تھیں جن میں سے کچھ نتیجہ خیز ثابت ہوئی تھیں اور کچھ بے نتیجہ و بے منزل۔

مگر اس کے سامنے آتے ہی سب مؤدب ہو جاتے تھے۔ بہت سی لڑکیوں سے وہ کہیں زیادہ خوبصورت تھی اور اس کی شخصیت میں یقیناً کشش کے خزانے بھی پنہاں تھے۔ مگر اس نے ان خزانوں اور خوبصورتیوں کو پاکیزگی کے سفید لباس میں چھپا دیا تھا۔

نوعمری سے ہی اس میں چلبلے پن کے کوئی آثار نمودار نہیں ہوئے تھے۔ کسی کے

کہے بغیر ہی، کسی کی پند و نصیحت کے بغیر ہی اس نے اپنے آپ کو سادگی کے حصار میں مقید کر لیا تھا۔ کالج میں تو یونیفارم ہی سفید تھی مگر وہ مزید اہتمام یہ کرتی کہ اسے بہت ڈھیلا ڈھالا سلواتی۔ خواہ فیشن کچھ بھی چل رہا ہوتا۔ لڑکیاں کسی نہ کسی طرح یونیفارم میں بھی فیشن کی جھلک لے آتی تھیں۔ مگر عالیہ کی کوشش گویا یہ ہوتی کہ اسے محض ایک ڈھیلے ڈھالے لبادے کی شکل دے دے۔

سفید دوپٹے کا حلقہ بھی ہائی سکول کے زمانے سے ہی اس کے چہرے کے گرد رہا اور آج تک ساتھ چلا آ رہا تھا۔ یونیورسٹی میں بھی اس کا یہی انداز رہا تھا۔ کالج، یونیورسٹی یا عام زندگی کی بڑی سے بڑی تقریب میں بھی اس نے کبھی اپنے آپ کو سجانے سنوارنے کے لئے کسی سامان آرائش، کسی مصنوعی سنگھار کا سہارا نہ لیا۔

اسے معلوم تھا کہ کالج اور یونیورسٹی میں لڑکے لڑکیاں پیٹھ پیچھے اسے "بی جمن" کہتے تھے۔ مگر اسے یہ بات کبھی بری نہیں لگی۔ وہ اکثر آئینے میں اپنے سراپا کا جائزہ لیتی اور پُراسرار سے انداز میں مسکرا دیتی۔ اسے کبھی چاہے جانے کی خواہش محسوس نہیں ہوئی تھی۔ کالج اور یونیورسٹی میں اپنے اردگرد نظر آنے والے لڑکے اسے ہمیشہ بے حد عام سے لگے تھے۔ عام سی دنیا کے باسی، عام سی خواہشوں کے جنگل میں گرفتار۔ اس کا کبھی دل نہیں چاہا تھا کہ ان لڑکوں میں سے کوئی اسے چاہے جن کی نظر صرف ظاہری پیکروں تک جاتی تھی۔ جن میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ برف پوش چوٹیوں تلے آتش فشاں بھی چھپے ہو سکتے ہیں۔

اسے یونیورسٹی سے فارغ ہوئے کئی سال ہو چکے تھے۔ اب تو وہ گویا بھول ہی چکی تھی کہ مرد کوئی علیٰحدہ صنف ہے۔ اسے تو اپنے سامنے صرف انسان نظر آتے تھے۔ عورت مرد کی تخصیص تو اس نے چھوڑ ہی دی تھی۔ صرف حالات کے لحاظ سے ان کی قسمیں تھیں۔ اچھے انسان، برے انسان، سکھی انسان، دکھی انسان، کشادہ دل انسان، کمینے انسان........

مگر آج اس شخص نے آ کر گویا برف پوش چوٹیوں پر کوئی چنگاری سی پھینک دی تھی۔ چنگاری بھی ایسی جو خود نہیں بجھ رہی تھی، فنا نہیں ہو رہی تھی بلکہ اس بے اندازہ

برف کو پگھلا رہی تھی جس نے صدیوں سے ہر چیز کو یخ بستگی کے دائرے میں لے رکھا تھا۔ سینے کے پُرہول سناٹوں میں ایک لمحے کو کہیں نقرئی سی گھنٹیاں بجی تھیں اور خاموش ہو گئی تھیں۔ مگر ان کی بازگشت تھی کہ ابھی تک اعصاب کو تھرتھرائے دے رہی تھی۔ نیز اسے خاموش اور دم بخود سی دیکھ کر وہ کچھ پریشان سا ہو کر بولا۔ "آج آپ سے بات کرنے کا موقع ملا ہے تو میں آپ کو سب کچھ بالکل سچ سچ........ ہر بات بالکل ایمانداری سے بتا دینا چاہتا ہوں........"

عالیہ خاموشی سے ایک ٹک اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اسے یک لخت ہی کسی الہامی سے لمحے میں معلوم ہو چکا تھا کہ وہ کیا کہنے والا تھا۔ اس کی آواز بہت بھاری اور پُرکشش تھی مگر اس وقت وہ بہت آہستگی اور ملائمت سے بولا۔ "میں ایک چھوٹا موٹا جرنلسٹ ہوں........ ناکام سا اخبار نویس........ ایک بہت چھوٹے اخبار سے وابستہ ہوں جو شاید کبھی آپ کی نظر سے بھی نہ گزرا ہو۔ روزنامہ "آزاد" بہت تھوڑا سا چھپتا ہے لیکن جہاں ضرورت ہوتی ہے وہاں ہم اس کی اشاعت لاکھوں میں بتاتے ہیں۔ میں نے آپ کے چرچے سنے تھے۔ آج کے معاشرے میں چونکہ زیادہ نمایاں چیزوں کی تہہ میں فراڈ کے سوا کچھ نہیں........ اور کچھ ویسے بھی ہم اخبار نویسوں کو ہر چیز کو شک کی نظر سے دیکھنے کی عادت ہوتی ہے۔ اس لئے میں آپ کو بھی فراڈ سمجھا تھا۔ پہلی بار جب میں نے یہاں پہنچ کر........ باہر سے آپ کے مکان پر نظر ڈالی تو دل ہی دل میں سوچا۔ اچھا خاصا عالی شان مکان ہے........ اور وہ بھی ڈیفنس کے علاقہ میں........ یقیناً یہ عورت لوگوں سے اچھا خاصا مال کھینچ رہی ہے۔ پہلی بار میں یہاں محض آپ کی ٹوہ لینے اور آپ کے طریقہ کار کا مشاہدہ کرنے آیا تھا تاکہ اپنے اخبار کے لئے کوئی سنسنی خیز سی رپورٹ تیار کر سکوں۔ اسی لئے میں نے بطور صحافی آپ سے اپنا تعارف نہیں کرایا تھا اور نہ ہی فوری طور پر ملنے کی کوشش کی تھی۔ میرا جو کاغذ کا پُرزہ چوری ہوا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ میرے لئے بہت اہم تھا لیکن وہ مسئلہ بھی درحقیقت میں نے آزمائش کے طور پر پیش کیا تھا۔ وہ ایک طرح کا ٹسٹ کیس تھا لیکن جب آپ نے چند منٹ کے اندر اندر مسروقہ چیز کی صحیح نشاندہی کر دی اور نذرانے وغیرہ کے سلسلے میں کوئی مطالبہ نہیں کیا تو میں آپ کی ذہنی و

روحانی صلاحیتوں کا تہہ دل سے قائل ہو گیا۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے یہ مکان اور دیگر اثاثے نذرانوں یا چندے وغیرہ سے نہیں بنائے بلکہ خاندانی طور پر ایک آسودہ حال خاتون ہیں تو مجھے اپنی ابتدائی سوچ پر سخت شرمندگی ہوئی اور لحہ بہ لحہ آپ سے میری عقیدت بڑھتی گئی۔ پھر میں نے آپ کے لیکچر باقاعدگی سے سنے۔ گو کہ میرا دھیان لیکچرز کی طرف کم اور آپ کی شخصیت کی طرف زیادہ رہا۔ لیکن میں نے محسوس کر لیا کہ آپ کتنی پڑھی لکھی خاتون ہیں۔ آپ کے لیکچرز میں مذہب' اخلاقیات اور فلسفۂ حیات نہایت سادہ اور عام فہم انداز میں سمٹ آتا ہے اور ان کی بنیاد خالصتاً سائنٹیفک ہوتی ہے اور آپ پند و نصیحت کے روایتی طریقے اپنائے بغیر ہی لوگوں کو سب کچھ سمجھاتی چلی جاتی ہیں اور لوگ آپ کی باتوں کا بہت اثر لیتے ہیں لیکن ان سب باتوں سے قطع نظر مجھے تو بس ایسا لگتا ہے جیسے میں ایک نہایت خوبصورت حلقے میں مقید ہو گیا ہوں۔ اب شاید میں کبھی اس حلقے سے نہ نکل سکوں اور میں نکلنا چاہتا بھی نہیں"۔

وہ خاموش ہو گیا اور ایک بندۂ بے دام کی طرح ایک ٹک اس کی طرف دیکھنے لگا۔

عالیہ سفید چادر میں لپٹی ساکت بیٹھی رہی۔ چند لمحے کے اعصاب شکن سکوت کے بعد بالآخر وہ سرگوشی نما لہجے میں بولی۔ "یہ سب باتیں اتنی تفصیل سے تو نہیں........ لیکن پہلی بار آپ کو دیکھ کر اتنا مجھے ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ یہ شخص مجھ پر اعتبار نہیں رکھتا اور میری ٹوہ میں آیا ہے"۔

"لیکن آپ نے مجھ پر اس کا اظہار آج تک نہیں کیا"۔ وہ حیرت سے بولا۔

"نہیں........ لوگوں کو شرمندہ کرنا میرا شیوہ نہیں"۔ عالیہ آہستگی سے بولی۔

"کاش آپ کے افکار اور تقریریں وغیرہ مختلف ذرائع ابلاغ سے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ سکیں"۔ منیر گہری سانس لے کر بولا۔

"یہ سب دنیاوی ہتھکنڈے ہیں۔ یہ سب ذرائع غلط طور پر استعمال ہو رہے ہیں۔ میں خود دستِ سوال پھیلا کر ان کی طرف جانا نہیں چاہتی اور نہ ہی زیادہ جھمیلوں میں پڑنا چاہتی ہوں۔ میں اپنی محدود سی دنیا میں خوش اور مگن ہوں۔ بہت سے اخباروں اور رسالوں والے مجھ سے انٹرویو لینے آتے ہیں۔ میں باقاعدہ اور باضابطہ طور پر بیٹھ کر انٹرویو

نہیں دیتی۔ وہ مجھ سے سرسری طور پر ہونے والی بات چیت کو ہی انٹرویو کے طور پر لکھ دیتے ہیں اور اپنے ذاتی تاثرات بھی شامل کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے تعریف و توصیف کا سا انداز بن جاتا ہے۔ حالانکہ میں نہیں چاہتی کہ میری شخصیت کو ایک پیرنی فقیرنی یا پہنچی ہوئی ہستی کا تاثر دیا جائے اور میرے گرد توہم پرستوں اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کی بھیڑ بڑھتی جائے۔ میں تو پہنچی ہوئی ہستیوں کے قدموں کی خاک بھی نہیں ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ اگر مجھ پر کچھ لکھا جائے تو سائنٹیفک بنیادوں پر میری صلاحیتوں کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی جائے"۔

"یہ کام میں کروں گا........" منیر جلدی سے سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "میں اپنے اخبار کا "عالیہ بی بی نمبر" نکالوں گا اور آپ دیکھئے وہ ایک یادگار چیز ہو گی۔ ایک دستاویز ہو گی۔ میں کل فوٹو گرافر کو لے کر آؤں گا۔ پہلے چند تصویریں تو بنالی جائیں۔ آپ بتا دیجئے کس وقت فارغ ہوں گی؟"

عالیہ نے بہت منع کیا' بہت انکار کیا لیکن منیر نے "عالیہ بی بی نمبر" کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ایک ہفتے بعد وہ ایک بڑی سی رنگین تصویر پر مشتمل پوسٹر کا نمونہ لے کر آیا۔ وہ عالیہ کی تصویر تھی۔ وہ اپنے مخصوص سادہ سے حلئے میں تھی مگر رنگین پوسٹر میں بے پناہ خوبصورت لگ رہی تھی۔

"یہ پوسٹر ہم عالیہ بی بی نمبر' کے ساتھ مفت دیں گے"۔ منیر نے نہایت مسرور لہجے میں اسے بتایا میں یہ اپنی جیب سے' اپنے ذاتی خرچ پر چھپوا رہا ہوں۔ ادارہ پوسٹر چھاپنے کے حق میں نہیں تھا۔ ان کے حساب کتاب کے مطابق کاروباری طور پر اس میں نقصان تھا۔ ہمارا اخبار بہت چھوٹا اور ادارہ معمولی سا ہے لیکن میں چاہ رہا ہوں کہ یہ خصوصی شمارہ آپ کے شایان شان ہو"۔ اس کا اشتیاق اور جوش و خروش دیدنی تھا۔

"آپ یہ کام کس لئے کر رہے ہیں منیر صاحب؟" عالیہ نے ملائمت سے پوچھا۔

"صرف اپنے دل کی خوشی اور آپ سے اپنی عقیدت کے اظہار کے لئے"۔ منیر بلا تامل بولا۔ اس کا انداز بالکل سیدھا سادہ اور کھوٹ سے پاک ہوتا تھا۔

"میں آپ کو کاروباری طور پر خسارہ نہیں ہونے دوں گی"۔ ایک لحہ کی خاموشی

کے کے بعد عالیہ بولی۔ "اور آپ کو خوامخواہ اپنی جیب سے بھی خرچ کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ میرا فیصلہ ہے اور آپ اس کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بولیں گے۔ آپ اپنے ادارے سے کہئے کہ شمارے اور پوسٹر کی جو بھی مناسب قیمت چاہیں رکھ لیں اور دس ہزار کاپیاں مجھے بھجوا دیں۔ میں کل قیمت نقد ادا کر دوں گی"۔

"دس ہزار کاپی........ نقد ادائیگی........؟" منیر گویا اپنی جگہ سے اچھلتے اچھلتے رہ گیا۔

اس نے بہت اصرار کیا کہ پوسٹر وہ اپنی طرف سے چھپوائے گا مگر عالیہ نہ مانی۔ بالآخر شمارہ چھپ کر آ گیا اور عالیہ کو پسند آیا۔ منیر نے یقیناً اس پر بہت محنت کی تھی اور سلیقے سے چھاپا تھا۔ عالیہ کے بارے میں اس نے بہت سا معلوماتی مواد یکجا کر دیا تھا اور روحانیت و نفسیات کے بہت سے نامی گرامی ماہرین کی اس کے بارے میں آراء بھی شامل کی تھیں جن میں سے بعض منفی بھی تھیں اور بعض تنقیدی بھی لیکن اس نے ہر طرح کے نقطہ نظر کو جگہ دی تھی۔ بہت سی تصاویر بھی شامل کی تھیں۔ تاہم منیر کا اپنا مضمون ایک خوبصورت اظہار عقیدت کے سوا کچھ نہیں تھا۔

عالیہ نے حسب وعدہ دس ہزار کاپیاں خرید لیں اور برآمدے کے ایک کونے میں میز پر رکھ دیں۔ اس کا ہر عقیدت مند ایک ایک کاپی اور پوسٹر لے جاتا رہا اور نذرانے کے ساتھ اس شمارے کی قیمت بھی صندوقچے میں ڈال کر جاتا رہا۔ عالیہ کو معلوم تھا کہ اسے یہ دس ہزار کاپیاں خریدنے سے کوئی نقصان نہیں ہو گا۔

اس دوران منیر سے اس کے مراسم خاصے قریبی ہو گئے۔ اس کی حیثیت اب ایک سائل یا عقیدت مند کی نہیں رہی تھی۔ وہ جب چاہتا گھر میں آ سکتا تھا۔ کبھی کبھی تو وہ گھر کا ہی ایک فرد نظر آتا لیکن اس کا انداز اب بھی وہی تھا۔ وہ عالیہ کے قدموں میں بچھا جاتا۔ اس کی گویا سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ عالیہ کی خوشنودی کے لئے کیا کرے۔ وہ جیسے منتظر رہتا کہ عالیہ اشارہ کرے تو اس کے لئے دنیا کا کوئی مشکل سے مشکل کام کر گزرے۔

عالیہ کو اس کا انتظار رہنے لگا۔ کسی روز وہ نہ آتا تو عالیہ کو اپنی زندگی میں ایک عجیب سے خلا کا احساس ہوتا۔ وہ اپنے آپ کو کچھ مضطرب سی محسوس کرتی۔ پہلی بار اسے یہ احساس ہونا شروع ہوا تھا کہ ہر وقت انسانوں کے ہجوم میں گھری رہنے کے باوجود وہ کتنی

تنہا تھی۔ یہ احساس تنہائی ان لمحوں میں معدوم ہو جاتا جب منیر اس کے قریب ہوتا تھا۔

پھر ایک روز منیر اس کے کمرے میں اس کے پاس آیا جس میں وہ ضرورت مندوں سے ملاقات کرتی تھی۔ وہ کچھ مضطرب سا نظر آ رہا تھا۔ خاموشی سے اس نے ایک سفید اور قدرے دبیز سا لفافہ جیب سے نکالا اور اس کے سامنے بینچ پر رکھتے ہوئے بولا۔ "اس میں ایک خط ہے۔ اسے اس وقت پڑھئے گا جب آپ بالکل فارغ اور پُرسکون ہوں۔ ذہن پر کسی قسم کا کوئی بوجھ نہ ہو اور آپ کا موڈ خوشگوار ہو........"

"اوہ........ اتنا اہتمام کرنا پڑے گا اس کو پڑھنے کے لئے؟" عالیہ مسکرائی۔

"جی ہاں! کیونکہ یہ کسی کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے"۔ اس نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ اس سے پہلے کہ عالیہ مزید کچھ کہتی' وہ تیزی سے مڑا اور کمرے سے نکل گیا۔

ضرورت مندوں سے ملاقات کا وقت ختم ہوتے ہی عالیہ نے اٹھ کر دروازے کا بولٹ چڑھایا اور بے تابی سے لفافہ چاک کیا۔ وہ منیر ہی کا خط تھا۔ لکھا تھا:

عالیہ جی!

> لوگ مجھے بڑا دھڑلے کا آدمی سمجھتے ہیں۔ بے باک' سرکش' نڈر' ڈھیٹ' منہ پھٹ' حتیٰ کہ بدمعاش تک کے خطابات مجھے مل چکے ہیں۔ میرے دفتر والے بھی مجھ سے پناہ مانگتے ہیں اور ایک طرح سے میں ان سب کے باڈی گارڈ کے فرائض انجام دیتا ہوں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ مجھے شاذونادر ہی کسی بات سے کوئی خوف محسوس ہوتا ہے۔ میں کسی بھی قبیل اور کسی بھی مرتبے کے آدمی کے سامنے جا کر کسی بھی وقت کوئی بات کہنے کے لئے تیار رہتا ہوں۔
>
> آپ سوچ رہی ہوں گی کہ میں نے یہ اپنی شان میں خود ہی قصیدہ نویسی کیوں شروع کر دی؟ دراصل آپ کو اپنی شخصیت کے اس پہلو سے آگاہ کرنا میرا مقصد تھا جسے کچھ زیادہ پسند نہیں کیا جاتا اور ساتھ ہی یہ بتانا چاہتا تھا کہ ان تمام صفات کا حامل ہوتے ہوئے

بھی میرا یہ عالم ہے کہ آپ کے سامنے دل کی بات زبان پر لانے کی میری ہمت نہیں پڑ سکی اور مجبوراً" مجھے کاغذ قلم کا سہارا لینا پڑا۔

چٹان جیسا کھردرا آدمی' کلی جیسی ایک نازک اور نرم خو لڑکی کے سامنے حرف مدعا زبان پر لانے کی جرأت نہ کر سکا۔ جب بھی یہ ارادہ کیا ہاتھ پیروں پر کپکپی سی طاری ہو گئی اور حلق میں کانٹے سے پڑنے لگے۔ ایک ایسی لڑکی جس کی شخصیت کی ملائمت پھولوں کو شرماتی ہے' اس سے میں خوف کھاتا ہوں۔ اس کے سامنے جا کر رعب حسن سے مری زبان گنگ ہو کر رہ جاتی ہے۔ یا پھر یہ بھی محبت کا معجزہ ہے؟ کیا محبت آدمی کو اتنا ہی بزدل بنا دیتی ہے؟ یا پھر شاید یہ بزدلی نہیں بلکہ کسی نئے سانچے میں ڈھل جانے کا عمل ہے۔

میرا خیال ہے میں پہلے ہی دن اس کومل چہرے اور شبنمی آنکھوں کا اسیر ہو گیا تھا لیکن یہ بات صرف قلم سے لکھنے کی جرأت پیدا کرنے میں بھی مجھے کئی ماہ لگ گئے۔

زیادہ لمبی چوڑی باتیں مجھے نہیں آتیں۔ آپ نے دیکھا ہی ہو گا کہ میں مضامین اور فیچر وغیرہ بھی بہت مختصر لکھتا ہوں۔ کہنا صرف یہ ہے کہ آپ کی محبت میں میں پرستش کی حد تک چلا گیا ہوں اور اس سے آگے شاید دیوانگی کی سرحدیں شروع ہوتی ہیں۔

میں اس مقام پر ہوں جہاں آپ کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی ناممکن محسوس ہوتا ہے۔ طلب میں اتنی شدت آ چکی ہے کہ آپ کو کھو کر اگر میں مرا نہیں تو کم از کم دیوانگی کی حدود میں ضرور داخل ہو جاؤں گا۔ یہ دنیا ایک اور چاک گریباں' برہنہ پا سودائی کا تماشا ضرور دیکھے گی۔

مجھے یہ دیوانگی' یہ آشفتہ سری' یہ رسوائی بھی قبول ہو گی بلکہ

دل و جان سے عزیز ہو گی لیکن میں نے سوچا ان بے منزل راستوں پر قدم رکھنے سے پہلے صرف ایک بار آپ سے پوچھ تو لوں کہ آپ زندگی کے سفر میں میرا ہاتھ نہیں تھام سکتیں؟

آپ ایک نیک دل اور ہر چیز کا روشن پہلو دیکھنے والی لڑکی ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ میری التجا خواہ آپ کے لئے ناقابل قبول ہو لیکن آپ اس سے کوئی منفی مطلب اخذ نہ کریں گی۔ مگر ظاہر ہے آپ کا ایک بڑا بھائی بھی ہے' شاید دوسرے اعزاء واقارب بھی ہوں۔ شاید ان سے مشورے کی نوبت بھی آئے۔ ان میں سے نہ جانے کون کیا معنی اور کون سے مطالب اخذ کرے۔ شاید کوئی یہ خیال بھی ظاہر کرے کہ ایک تہی دست نے ایک کھاتی پیتی آسودہ حال لڑکی پر جال پھینکنے کا ارادہ کیا ہے۔

لیکن آپ مجھ سے جو چاہیں قسم لے سکتی ہیں........ میں غریب ضرور ہوں لیکن آپ کی دولت و جائداد کی میری نظر میں کوئی اہمیت نہیں۔ آپ چاہیں تو اس کا انتظام اور اختیار ہمیشہ کے لئے کسی کے بھی سپرد کر سکتی ہیں اور چاہیں تو مجھ سے کوئی بھی دستاویز لکھوا لیں کہ میں زندگی بھر آپ کی ایک پائی پر بھی حق ملکیت یا اختیار نہیں جتاؤں گا اور ان معاملات سے کوئی بھی غرض نہیں رکھوں گا۔

مجھے صرف آپ کی ضرورت ہے اور اگر آپ میں اتنی ہمت ہو کہ یہ سب کچھ چھوڑ کر میرے غریبانہ سے فلیٹ میں میری ہمسفر بن کر آ سکیں تو میرے لئے اور بھی زیادہ خوشی کا مقام ہو گا۔

میری زندگی اس مختصر سے عرصے میں آپ کے سامنے کھلی کتاب بن چکی ہے۔ میری عمر اچھی خاصی ہے۔ شادی اسی لئے نہیں ہو سکی کہ آج تک کوئی اس طرح تیر بن کر دل میں ترازو ہی

نہیں ہوا اور سچی بات یہ ہے کہ ہم بھی کسی کو کچھ زیادہ پسند نہیں آئے۔ کچھ بے سر و سامانی اور خانہ بدوشی بھی زندگی کے ساتھ رہی۔ اب بھی زندگی کا وہی ڈھب ہے۔ کرائے کا فلیٹ ہے۔ معمولی سی تنخواہ ہے۔ تھوڑا بہت اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مار لیتا ہوں۔ کوئی اثاثہ نہیں۔ دنیا میں قریب یا دور کا کوئی رشتہ دار نہیں۔ اگر کوئی ہے تو مجھے اس کا علم نہیں۔ بس یہی کچھ زندگی کا نقشہ ہے۔

واقعی بہت معمولی انسان ہوں۔ آپ کی ان جادوگر آنکھوں کو کوئی جھوٹا سچا خواب نہیں دکھا سکتا۔ صرف ایک وعدہ کر سکتا ہوں۔ اسے وعدہ سمجھ لیجئے یا دعویٰ کہ آپ کے لئے میرے پاس کبھی نہ ختم ہونے والی محبت ہے۔ کبھی نہ مٹنے والا احترام ہے۔ مجھ جتنی محبت شاید آپ کو کوئی نہ دے سکے۔

اگر اس محبت' اس احترام کی آپ کی نظر میں کوئی اہمیت' کوئی وقعت ہے تو میرے بارے میں سوچئے اور ضرور سوچئے۔ میں اب آپ کے سامنے آنے کی ہمت نہیں کر پاؤں گا۔ میں اپنے دفتر میں آپ کے فون کا منتظر رہوں گا۔ اگر آپ کی طرف سے کوئی بلاوا آیا تبھی حاضر ہوں گا۔ ورنہ جب تابِ انتظار ختم ہو جائے گی تو خاک سر کسی انجانی منزل کی طرف روانہ ہو جاؤں گا اور آپ کے لئے کسی زحمت کا باعث نہیں بنوں گا۔ ایک روز آپ کو یہی خبر ملے گی کہ وہ دیوانہ کسی صحرائے وحشت میں سر پٹخ کر مر گیا۔

ابھی تو شاید آپ کو یقین نہ آئے کہ آج کے دور میں بھی یوں دل میں عشق کا روگ پالنے والے پائے جاتے ہیں لیکن ایک نہ ایک روز یقین آ ہی جائے گا۔ میں آپ کے فون کا منتظر رہوں گا...... آپ کا منیر"۔

○---------☆---------○

عالیہ خط ہاتھ میں تھامے دیر تک ساکت بیٹھی رہی۔ اس کا دل گویا کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا اور کانوں کی لویں تپتی محسوس ہو رہی تھیں۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا محبت نامہ تھا...... بالکل سیدھا سچا اور دل میں اتر جانے والا۔

اس کی مٹھیاں غیرارادی طور پر سختی سے بھینچ گئیں اور آنکھیں بند ہو گئیں۔ خط اس کے ہاتھ میں تُڑمُڑ ہو کر رہ گیا۔ اس کی سانسیں تیز چل رہی تھیں۔ رگ و پے میں ایک عجیب سا ارتعاش اور سنسنی پھیل گئی تھی جو اس کے لئے بالکل نئی اور انوکھی تھی۔ ایک عجیب برق سی تھی جو سر سے پاؤں تک اس کے لہو میں گردش کر رہی تھی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کاغذ کے ایک بے جان پُرزے پر لکھے ہوئے الفاظ بھی رگ و پے میں ایسی ہلچل مچا سکتے ہیں۔ ایک لمحے کے لئے غیرارادی طور پر اس تصوّر نے بھی اس کے ذہن میں سر ابھارا کہ جس شخص کا خط پا کر اس کا یہ حال تھا' اگر وہ سچ مچ اس کی زندگی میں چلا آیا تو اس کا کیا حال ہو گا؟

کئی منٹ بعد بالآخر وہ جھرجھری سی لے کر گویا ایک انوکھے خواب سے بیدار ہوئی۔ اپنی مٹھی میں دبے ہوئے خط کو نکال کر اس نے بڑی محبت سے اس کی شکنیں درست کیں اور اسے واپس لفافے میں رکھ کر لفافہ تپائی پر رکھی ہوئی ایک موٹی سی کتاب میں رکھ لیا۔ چند گہری سانسیں لینے کے بعد اس نے اپنے آپ کو اعتدال پر محسوس کرتے ہوئے گھنٹی کا بٹن دبا دیا جس کا مطلب تھا کہ اگلے سائل کو اس کے پاس بھیج دیا جائے۔

دوپہر کے کھانے تک سائلوں سے ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔ دوپہر کا کھانا اس نے عامر کے ساتھ کھایا۔ کھانے کے بعد حسبِ معمول چائے کا دور چلا۔ اس دوران عامر بغیر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔۔۔ "آج تم بہت چپ چپ ہو کیا کسی سائل کی کہانی نے تمہیں زیادہ ہی دکھی کر دیا ہے؟"

"نہیں......" اس نے نفی میں سر ہلایا اور ایک نظر بھائی کی طرف دیکھ کر سر جھکا لیا۔ چند لمحے بوجھل سکوت طاری رہا۔ عامر کچھ نہ بولا وہ گویا کوئی سوال کئے بغیر اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

بالآخر عالیہ نے گہری سانس لی اور ٹھہرے لہجے میں بولی...... "بھیا......! وہ

منیر مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے......"

"اوہ......" عامر نے گہری سانس لی اور کپ میز پر رکھ دیا۔ ایک لمحے کے سکوت کے بعد وہ بولا...... "تم نے بہت اچھا کیا جو یہ بات مجھے بتا دی...... عالیہ! مجھے احساس ہے کہ امی' ابو کے انتقال کے بعد یہ درحقیقت میری ذمہ داری تھی لیکن میں اس سلسلے میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ ہمارے اتنے سماجی رابطے ہیں' اتنے لوگوں سے میل ملاقات ہے اس کے باوجود میں نے خود کو اور تمہیں اس سوسائٹی میں بہت تنہا تنہا محسوس کیا ہے۔ مجھے تمہارے لئے کوئی لڑکا موزوں ہی معلوم نہیں ہوا...... اور شاید میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا۔ کچھ سلیقہ بھی نہیں تھا کہ یہ کام ہوتے کیسے ہیں...... لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مجھے فکر نہیں تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس فکر کے باعث میں خود اپنے بارے میں آج تک کچھ نہیں سوچ سکا۔ میرا دل نہیں مانا کہ تمہارے لئے کچھ کئے بغیر اپنا گھر بسا کر بیٹھ جاؤں......" وہ متذبذب سے انداز میں خاموش ہو گیا۔

"مجھے معلوم ہے بھیا...... کہ آپ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں اور کیا محسوس کرتے ہیں......" عالیہ جذبات سے مغلوب لہجے میں بولی۔

عامر کپ کو مضطربانہ انداز میں انگلیوں میں گھماتے ہوئے بولا...... "مجھے خوشی ہے کہ اس سلسلے میں کوئی بات سامنے تو آئی...... لیکن سچی بات یہ ہے کہ مجھے منیر کچھ اچھا آدمی دکھائی نہیں دیتا...... خصوصاً" تم جیسی لڑکی کے لئے تو وہ مجھے بالکل موزوں دکھائی نہیں دیتا...... لیکن تمہارا اپنا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ہم پڑھے لکھے اور روشن خیال بہن بھائی ہیں اور ایک دوسرے کے سوا ہمارا دنیا میں صحیح معنوں میں کوئی بھی نہیں ہے۔ اس لئے ہمیں کھل کر اس سلسلے میں بات کرنی ہو گی۔ اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے......"

"میرے خیال میں تو...... منیر ٹھیک ہی آدمی ہے......" عالیہ سر اٹھائے بغیر مدھم لہجے میں بولی۔

"ٹھیک ہے......" عامر گہری سانس لے کر بولا...... "میں اس کے بارے میں معلومات کروں گا۔ وہ ہمارے لئے تقریباً" اجنبی ہی ہے۔ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ تھوڑی

بہت چھان بین کر لی جائے......" اُس روز بات یہیں ختم ہو گئی تھی اور وہ دونوں آرام کرنے کے لئے اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

اس کے بعد عامر نے نہ جانے کون سے ذرائع استعمال کر کے دو دن میں ہی تمام تفصیلات اس کے سامنے بیان کر دی تھیں...... وہ عمر میں تم سے دس سال بڑا ہے۔ اس کا کوئی خاندان...... عزیز و اقارب یا ذاتی مکان وغیرہ نہیں ہے...... صرف چودہ سو روپے ماہوار اس کی تنخواہ ہے اور نوکری کا دارومدار بھی صرف ایک آدمی کی خوشنودی پر ہے...... یعنی اخبار کے مالک کی...... جس دن بھی مالک ناخوش ہو' زبانی دو لفظ کہہ کر اسے نکال باہر کر سکتا ہے۔ چار سو روپے مہینہ کے ایک پرانے فلیٹ میں رہتا ہے اور یہ کرایہ نہ جانے کتنے برسوں سے اتنا ہی چلا آ رہا ہے۔ مالک نے فلیٹ خالی کروانے کے لئے مقدمہ کر رکھا ہے۔ اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے اِدھر اُدھر چھوٹے موٹے ہاتھ بھی مارنے پڑتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ بھی کوئی اچھی علامت نہیں...... تعلیم صرف ایف اے ہے...... صحافتی حلقوں میں بھی صحافی کے طور پر کم اور بدمعاش کے طور پر زیادہ جانا جاتا ہے...... آٹھ دس سال پرانی ایک موٹر سائیکل اس کے پاس ہے...... اب بتاؤ ان میں سے کون سی بات اس کے حق میں جاتی ہے؟ کس اعتبار سے وہ تمہارے لئے موزوں نظر آتا ہے؟

"یہ سب باتیں تو وہ مجھے خط میں لکھ چکا ہے......" عالیہ دھیمے لہجے میں بولی......
"اس میں سے کوئی بات میرے لئے نئی نہیں...... اس نے کچھ چھپانے کی کوشش نہیں کی......"

"وہ چھپانا چاہتا بھی تو نہیں چھپا سکتا تھا۔ اس قسم کے حقائق چھپے نہیں رہتے۔ اس کی چالاکی تھی کہ اس نے خود ہی تمہیں سب کچھ بتا کر تمہاری نظر میں اپنی دیانتداری اور راست گوئی ثابت کر دی"۔ عامر تحمل سے بولا۔ "بہرحال...... ان باتوں کو چھوڑو...... صرف یہ بتاؤ کہ تمہارے لئے وہ شخص قابل قبول ہے؟"

عالیہ نے اس کی طرف دیکھے بغیر آہستگی سے اثبات میں سر ہلا دیا اور نہایت دھیمے لہجے میں بولی...... "ڈگری...... اچھی نوکری...... ذاتی مکان...... روپیہ پیسا...... یہ

سب چیزیں میرے خیال میں زیادہ ضروری نہیں ہیں........"

غنیمت رہا کہ عامر نے یہ نہیں پوچھا کہ اس کی نظر میں کیا ضروری ہے؟ ورنہ شاید عالیہ کے لئے بھائی کے سامنے بیکراں اور لامتناہی محبتوں کے فلسفوں کی وضاحت کرنا بہت مشکل ہوتا۔

"ٹھیک ہے........ میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں........" عامر کے لہجے میں ہلکی سی اداسی در آئی........ "میں نے صرف ذاتی رائے ظاہر کرنا ضروری سمجھا تھا۔ وہ میں نے کر دی ہے مجھے وہ شخص کسی بھی اعتبار سے تمہارے لئے پسند نہیں ہے........ لیکن میں تم پر اپنا فیصلہ ٹھونسنا نہیں چاہتا۔ بعض معاملات میں' میں تمہیں خود سے زیادہ ذہین اور عقلمند سمجھتا ہوں........ اور پھر تم خودمختار بھی ہو........ تم جو چاہو گی وہی ہو گا........ لیکن پھر بھی........ میں چاہتا ہوں کہ آج رات تم اور سوچ لو........ اچھی طرح سوچ لو........ ہو سکے تو اپنی ذہنی صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے اپنے مستقبل میں جھانکنے کی بھی کوشش کرو........ اگر کل تک بھی تمہارا جواب یہی رہا تو پھر میں فون کر کے منیر کو بلاؤں گا اور اس سے تمام جزئیات طے کروں گا کہ سب کچھ کیسے اور کب کرنا ہے........"

عالیہ کا جواب ظاہر ہے' دوسرے روز بھی وہی رہا........ اور اس کے ٹھیک ایک ماہ بیس دن بعد وہ زندگی کے ایک نئے دور میں داخل ہو گئی جس میں منیر اس کا ہم سفر تھا۔ دلہن بن کر روایتی طور پر وہ ایک دن کے لئے منیر کے فلیٹ میں آئی لیکن اس کے بعد منیر ہی اس کے گھر منتقل ہو گیا۔

وہ زندگی کا ایک حسین ترین دور تھا جو ابھی جاری تھا۔ عالیہ نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ کسی انسان کی زندگی میں اتنی مسرتیں' اتنی لذتیں بھی یکجا ہو سکتی ہیں۔ منیر نے اپنا دعویٰ واقعی سچ کر دکھایا تھا........ عالیہ کو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ کسی شوہر نے اپنی بیوی کو اتنا چاہا ہو گا وہ واقعی اسے پوجا کی حد تک چاہتا تھا اور شادی کو دس ماہ گزر جانے کے باوجود اس کی چاہت' پرستش اور گرمجوشی میں ذرا بھی کمی نہیں آئی تھی۔

عالیہ کو اپنی زندگی میں اگر کوئی خفیف سے بدمزگی محسوس ہوتی تھی تو صرف یہ کہ اس کا بڑا بھائی رفتہ رفتہ اس سے دور سا ہوتا جا رہا تھا۔ عالیہ کا خیال تھا کہ اس میں اس

کے بھائی کے ہی مزاج کا زیادہ دخل تھا۔ اس کے ذہن میں منیر کے بارے میں ناپسندیدگی کی جو گرہ پڑ گئی تھی اسے کوئی بھی نہ کھول سکا۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ عامر نے زندگی بھر عالیہ کی اسی طرح حفاظت کی تھی جیسے وہ ننھی سی بچی ہو........ اور اس کی بہتری کی خاطر عامر نے اپنی خواہشات کو نظرانداز کئے رکھا تھا........ اس کی پناہ میں عالیہ نے ہمیشہ اپنے آپ کو بے حد محفوظ تصور کیا تھا........ لیکن شوہر کی پناہ میں آ جانے کی تو بات ہی کچھ اور تھی۔

عالیہ کو یہی محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے نرم و نازک وجود کے گرد کسی نے ایک مضبوط اور ناقابل شکست قلعے کی فصلیں اٹھا دی تھیں۔ منیر چونکہ آدمی بھی ذرا دوسری قسم کا تھا' شاید اس لئے عالیہ کو زیادہ تحفظ کا احساس ہوتا تھا۔ منیر نہ صرف جسمانی طور پر مضبوط تھا بلکہ وہ انتہائی بے خوف بھی تھا۔ وہ کسی سے نہیں ڈرتا تھا۔ اس کی یہی بے خوفی اور مضبوطی عالیہ کو زیادہ تحفظ کا احساس دلاتی تھی۔

رفتہ رفتہ عالیہ کے تمام معاملات منیر کے ہاتھ میں چلے گئے تھے۔ منیر نے کبھی کوئی معاملہ اپنے ہاتھ میں لینے کی فرمائش یا کوشش نہیں کی تھی۔ عالیہ خود ہی سب کچھ اسے سونپتی چلی گئی تھی اور رفتہ رفتہ اس نے اپنے آپ کو بہت ہلکی پھلکی محسوس کرنا شروع کر دیا تھا........ اس کی زندگی میں اب اگر کوئی تلخی یا دکھ تھا تو وہ دوسروں کی زندگی کا پر تو تھا وہ معاشرے کے دکھ تھے' معاشرے میں بسنے والوں کے المیے تھے جو اس کے علم میں آتے رہتے تھے۔

اس کا اپنا المیہ' اس کا اپنا مسئلہ یا الجھن تو بس ایک ڈراؤنا خواب تھا جو اکثر و بیشتر اسے ڈراتا رہتا تھا۔ کبھی کبھار تو ایسا بھی ہوتا کہ وہ بہت خوشگوار موڈ میں سوتی اور سونے سے پہلے اس کے ذہن میں یہی خیال ہوتا کہ آج اسے بہت اچھی نیند آئے گی' صبح وہ اٹھے گی تو بالکل تازہ دم اور چاق و چوبند ہو گی........ مگر رات کے کسی حصے میں وہی ڈراؤنا خواب شروع ہو جاتا۔

آج بھی وہ سوئی تو اس کا خیال تھا کہ اب وہ دن چڑھے ہی سو کر اٹھے گی۔ وہ بری طرح تھکی ہوئی تھی جسمانی طور پر بھی اور ذہنی طور پر بھی........ وہ محسوس کر رہی تھی کہ

اس میں خواب دیکھنے کی بھی سکت نہیں تھی........ مگر پھر نہ جانے کس وقت وہ خواب شروع ہو گیا۔

خواب میں عالیہ اپنے آپ کو ایک بیکراں صحرا میں کھڑے دیکھتی۔ اس کے کپڑے تار تار ہوتے اور دھجیوں کی صورت میں ہوا سے اس کے جسم پر پھڑپھڑا رہے ہوتے تھے۔ صحرا ایک عجیب لہو رنگ روشنی میں ڈوبا ہوتا۔ یہ روشنی ڈوبتے سورج کی کندنی روشنی یا شفق کی لالی سے بہت مختلف ہوتی........ ایسا لگتا جیسے کسی نے فضا کو لہو میں نہلا دیا ہو۔

پھر ہوا نہایت ہولناک سی سائیں سائیں کی آواز کے ساتھ چلنے لگتی اور تیز و تند جھونکوں کے دوش پر چاروں طرف سے لہو میں لتھڑی ہوئی لاشیں فضا میں تیرتی ہوئی عالیہ کی طرف آنے لگیں۔ ہلکورے لیتی ہوئی ان لاشوں کی حالت لرزہ خیز ہوتی۔ بعض لاشیں سربریدہ ہوتیں اور ان کی کٹی ہوئی گردنوں سے تازہ تازہ' سرخ سرخ خون بہہ رہا ہوتا۔ ان کے لباس تار تار اور خون میں لتھڑے ہوتے۔ کسی لاش کا سر اس کے تن کے ساتھ موجود ہوتا تو بری طرح کچلا ہوا ہوتا۔ اس کا چہرہ مسخ شدہ اور ناقابل شناخت ہوتا........ زیادہ تر لاشیں عورتوں کی ہوتیں........ وہ ہلکے پھلکے کاغذی پیکروں کی طرح ہوا میں ہلکورے لیتی ہوئی آتیں۔ آسمان سے گویا لہو برسنے لگتا۔ عالیہ کے گرد لاشوں کا انبار لگنے لگتا۔

رفتہ رفتہ وہ اس انبار چھپنے لگتی۔ وہ بُری طرح سسکیاں لے رہی ہوتی پھر اس کے کانوں کے قریب پروں کی پھڑپھڑاہٹ ابھرنے لگتی جیسے اَن گنت بڑی بڑی چمگادڑیں اس کے چہرے کے قریب پھڑپھڑا رہی ہوں۔ چمگادڑیں اسے نظر نہیں آتی تھیں مگر ان آوازوں کو سن کر تصور صرف چمگادڑوں ہی کا آتا تھا۔

پھر اس کے جسم میں ناقابل برداشت ٹیسیں اٹھنے لگتیں۔ اس کے جسم کا ریشہ ریشہ گویا اذیت میں ڈوب جاتا۔ اسے یوں لگتا جیسے اَن گنت درندے اس کی بوٹیاں نوچ کھانے کی کوشش کر رہے ہوں۔ رفتہ رفتہ اس کے اردگرد اندھیرا چھانے لگتا پھر اس کی آنکھ کھل جاتی مگر اذیت اور خوف بہت دیر تک اس کا پیچھا نہ چھوڑتا۔

اس وقت بھی وہ اسی خواب کی اذیت میں گرفتار تھی۔ اس کی آنکھ کھل گئی تھی مگر اس کے جسم میں ابھی تک حقیقتاً" درد کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ اذیت کا یہ احساس اتنا حقیقی تھا کہ ایک بار تو اس نے اچھی طرح اپنے جسم پر ہاتھ پھیر کر دیکھا کہ وہ صحیح سلامت تھی یا واقعی درندوں نے اسے ادھیڑ ڈالا تھا........؟

اپنے آپ کو سلامت پا کر اس کی حالت رفتہ رفتہ اعتدال پر آنے لگی۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ منیر اس کی طرف پشت کیے لیٹا تھا نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں کمرے کی ہر چیز محض ہیولے کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ کمرے کا سازوسامان اور آرائشی اشیاء گویا ایک دوسرے سے سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ عالیہ کو جاگتے دیکھ کر گویا ان بے جان چیزوں کی سرگوشیاں تھم گئیں۔

وہ اس طرح آہستگی سے اٹھی کہ منیر کی نیند میں خلل نہ پڑے۔ بیڈ سے اتر کر اپنے پیروں پر کھڑی ہونے میں اسے خاصی دشواری پیش آئی۔ اس کے جسم میں ابھی تک ارتعاش باقی تھا اور کسی سہارے کے بغیر کھڑے ہونا اسے دشوار لگ رہا تھا۔

دبیز قالین پر غیرمتوازن سے انداز میں قدم رکھتی وہ بڑی مشکل سے باتھ روم تک پہنچی۔

باتھ روم کی لائٹ آن کر کے اس نے آئینے میں اپنا جائزہ لیا تو اسے گویا ایک اجنبی ہی صورت اپنے سامنے نظر آئی۔ ایک ہی رات میں گویا اس کی شکل تبدیل ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے تھے جلد بالکل زرد اور شفاف سی لگ رہی تھی۔ آنکھوں کے گرد حلقے تھے۔ اس کا چہرہ کسی زندہ عورت کے بجائے کسی مومی مجسمے کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا شمار حسین عورتوں میں ہوتا تھا........ مگر اس وقت آئینے میں وہ گویا کسی اور ہی کا عکس دیکھ رہی تھی۔

یہ تجربہ اس کے لئے نیا نہیں تھا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ جب بھی وہ مخصوص ڈراؤنا خواب دیکھنے کے بعد اٹھ کر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتی تھی تو وہ اسے بدلا بدلا سا ہی دکھائی دیتا تھا........ جیسے کوئی بدروح اس کے جسم میں حلول کر گئی ہو........ اور پھر آج رات تو اس نے صرف ڈراؤنا خواب ہی نہیں دیکھا تھا بلکہ وہ ایک درندہ صفت قاتل کی

تلاش کے سلسلے میں بھی لرزہ خیز تجربے سے گزر کر آئی تھی۔ اس کا جسم اور روح تو پہلے ہی ہلکان تھی...... اس پر یہ دہشت ناک خواب......؟ اس خواب میں اسے خون میں لت پت اور مسخ شدہ جو لاشیں دکھائی دی تھیں ان میں سے کئی کے بارے میں اسے محسوس ہوتا تھا کہ اگر ان کے چہرے ذرا ٹھیک حالت میں ہوتے تو شاید وہ انہیں پہچان لیتی۔ وہ اس کی دیکھی بھالی اور شناسا سی لڑکیاں معلوم ہوتی تھیں۔

پھر اسے اس جنونی قاتل کا چہرہ یاد آیا جس نے مرتے وقت اپنی خون آلود انگلیوں کے نشانات عالیہ کی کار کے شیشے پر چھوڑے دیئے تھے۔ مرتے وقت اس نے جن نظروں سے عالیہ کی طرف دیکھا تھا ان میں عالیہ کے لئے ایک واضح دھمکی موجود تھی اور ان نگاہوں سے یہ بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ عالیہ کو اچھی طرح پہچانتا تھا...... ایسا کیونکہ ممکن تھا؟ عالیہ کو یاد نہیں تھا کہ اس نے زندگی میں کبھی اس شخص کی جھلک بھی دیکھی ہو...... پھر اس نے یہ سوچ کر اپنی خلش مٹانے کی کوشش کی کہ شاید وہ شخص کبھی سائل کے طور پر اس کے پاس آیا ہو...... یا پھر شاید اس شخص نے کسی اخبار' رسالے یا پوسٹر وغیرہ میں اس کی تصویر دیکھ رکھی ہو۔ اندر ہی اندر وہ اپنی اس جواز تراشی سے مطمئن نہیں تھی مگر سردست خود کو یہی بہلاوا دیا جا سکتا تھا۔ عالیہ کو یاد آیا کہ مرتے وقت اس شخص کا چہرہ اس طرح مسخ سا ہو کر رہ گیا تھا کہ وہ کچھ غیرانسانی سی مخلوق نظر آنے لگا تھا۔ اس تصور سے عالیہ کے جسم میں ایک بار پھر جھرجھری دوڑ گئی...... اسے یقین تھا کہ اس شخص میں کوئی غیرفطری بات تھی ضرور...... شاید اس کے بھیانک اور مجنونانہ افعال کی وجہ سے کوئی شیطانی قوت اس کے بدن میں حلول کر گئی تھی۔

زندگی میں اسے کئی ایسے تجربات ہوئے تھے جن کی بناء پر وہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ دنیا میں کچھ بھی ممکن تھا۔ اسے کئی ایسے گھروں میں جانے کا اتفاق ہوا تھا جنہیں آسیب زدہ بتایا جاتا تھا۔ وہاں اس نے بعض اوقات برتن ہوا میں اڑتے دیکھے تھے...... نلکوں سے پانی کی جگہ خون آتے دیکھا تھا۔ بستروں پر جناتی سائز کے پیروں کے نشانات دیکھے تھے جو بالکل ایسے ہی معلوم ہوتے تھے جیسے کسی دیوزاد قسم کی مخلوق نے خون میں لتھڑے ہوئے پاؤں بستر پر رکھے ہوں' پھر وہیں کھڑے کھڑے ہوا میں تحلیل ہو گئی ہو۔

بعد میں وہ نشانات بھی غائب ہو جاتے تھے۔ درودیوار سے پتھر برستے دیکھے تھے جو ڈھیریوں کی صورت میں فرش پر جمع ہو جاتے تھے مگر بعد میں خودبخود غائب ہو جاتے تھے۔ برسوں بند رہنے والے مکانوں میں اس نے پائل کی جھنکاریں سنی تھیں۔

ان معاملات میں درحقیقت عالیہ کو مدد کے لئے بلایا گیا تھا مگر وہ کسی کی کوئی خاص مدد نہیں کر سکی تھی...... ان واقعات کی کوئی توجیہہ یا توضیح اس کے پاس نہیں تھی۔ روحانیات کے بہت سے ماہروں اور عاملوں سے اس کی لمبی لمبی نشستیں رہی تھیں۔ بڑی طویل بحث اور بارہا تبادلہ خیال ہوا تھا مگر حقیقت یہ تھی کہ کسی کی بھی وضاحتیں اور دلائل اسے مطمئن نہیں کر سکے تھے۔ اسے یقین تھا کہ ان چیزوں کا کوئی نہ کوئی معقول سائنٹیفک جواز موجود تھا لیکن لوگ ابھی اسے تلاش کرنے سے قاصر تھے۔ ان میں اتنی اہلیت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے ان چیزوں کو آسیب' سایہ اور بھوت پریت وغیرہ کی کارستانیاں قرار دے کر ایک دوسرے کو مطمئن کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔

وہ واپس بیڈ پر آ لیٹی۔ منیر بدستور محوِ خواب تھا۔ اس کی سانسوں کی نہایت ہلکی اور ہموار خرخراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ گہری نیند میں تھا۔ عالیہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی نیند میں خلل پڑے اس لئے وہ نہایت آہستگی سے ایک طرف کو لیٹ گئی اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔ ٹیبل کلاک میں وقت دیکھ کر اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ سپیدۂ سحر نمودار ہونے کو تھا۔

اسے کچھ اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کتنی دیر کے لئے سوئی تھی کیونکہ وہ جب دوبارہ ہڑبڑا کر اٹھی تو اسے کلاک کی طرف دیکھنے کا خیال بھی نہ آیا۔ اس بار اس کے اس طرح ہڑبڑا کر اٹھنے سے منیر کی بھی آنکھ کھل گئی۔ وہ یکدم چونکتا سا ہو کر اٹھ بیٹھا اور بولا......

"کیا ہوا تمہیں......؟ ارے...... تم تو تھرتھر کانپ رہی ہو......"

"میں نے ایک ڈراؤنا خواب دیکھا ہے"۔ وہ لرزتی آواز میں بولی۔

"وہی جو تم اکثر دیکھا کرتی ہو؟" منیر نے تصدیق چاہی۔

"نہیں...... وہ تو میں دیکھ ہی چکی ہوں۔ یہ اس کے علاوہ تھا اور مجھے لگ رہا ہے کہ یہ خواب نہیں بلکہ کسی حقیقی منظر کا عکس تھا۔ کسی واقعہ کی جھلک تھی جو کہیں رُونما

ہو چکا ہے یا ہونے والا ہے۔ مقام اور وقت کا مجھے اندازہ نہیں ہو سکا"۔ اس کی آواز خوفزدہ سی سرگوشی میں ڈھل گئی۔

"تم نے دیکھا کیا ہے؟" منیر نے اسے بچوں کی طرح پچکارتے ہوئے پوچھا۔

"تین لڑکیوں کی لاشیں...... ان کے جسموں پر جا بجا نیل تھے۔ گہری خراشیں تھیں اور چاقوؤں کے پچاسوں زخم"۔ عالیہ نے سسکی سی لی۔ "ان کے چہرے بھی بگاڑ دیئے گئے تھے...... بہت ڈراؤنا منظر تھا۔ میں اسے صحیح طور پر بیان نہیں کر سکتی اور اتنا مجھے یقین ہے کہ یہ محض خواب نہیں تھا"۔

"لیکن کسی واقعہ کا عکس اس طرح تمہیں پہلے تو کبھی سوتے میں دکھائی نہیں دیا۔ اس کے لئے تو تمہیں اپنے ذہن کو کچھ زیادہ ہی بیدار رکھنا پڑتا ہے بلکہ اپنی تمام تر ذہنی طاقت کو ایک نقطے پر مرکوز کرنا پڑتا ہے اور پوری کوشش کے بعد ہی منظر کا تسلسل قائم رہتا ہے ورنہ گویا ایک ڈور سی تمہارے ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے اور دوبارہ بڑی مشکل سے ہاتھ آتی ہے......" منیر نے اسے سمجھایا۔

"یہ سب کچھ تو مجھے معلوم ہے......" عالیہ بے چینی سے کسمسائی۔ "لیکن میں آپ کو بتا رہی ہوں کہ جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ خواب نہیں تھا...... بے شک آج پہلی مرتبہ ایسا ہوا ہے لیکن یہ تھا کسی واقعہ کا عکس...... البتہ یہ میں نہیں بتا سکتی کہ یہ واقعہ رُونما ہو چکا ہے یا آئندہ کبھی رُونما ہو گا۔ اس کا کوئی سرا میرے ہاتھ نہیں آ رہا"۔

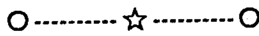
"لیکن ایسا کیسے ہو سکتا ہے!" منیر الجھن آمیز لہجے میں بولا۔ "جنونی قاتل تو ہلاک ہو چکا ہے وہی اس طرح کی وارداتیں کیا کرتا تھا پھر وہ ایک لمحے کچھ سوچنے کے بعد بولا۔ "تمہیں کچھ اندازہ ہوا کہ علاقہ کون سا تھا؟"

"نہیں...... میں صحیح طور پر نہیں پہچان سکی...... لیکن...... بہرحال...... خوشحال لوگوں کا علاقہ لگتا تھا۔ مکانات جدید' بڑے بڑے اور خوبصورت تھے۔ انہی میں سے ایک مکان کی اوپر کی منزل پر ایک بڑے سے ہال نما کمرے میں دو لڑکیوں کی لاشیں پڑی تھیں...... ایک لاش باتھ روم میں تھی...... ہر طرف خون ہی خون تھا۔ عالیہ نے ایک بار پھر جھرجھری لی اور دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔

"تم اپنے ذہن پر بوجھ مت ڈالو"۔ منیر نے ایک بار پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "اول تو مجھے یقین نہیں ہے کہ یہ واقعہ رُونما ہوا ہے یا آئندہ ہو گا اور اگر ایسا ہو بھی تو ہم قدرت کی طرف سے مزید رہنمائی میّسر آئے بغیر کیا کر سکتے ہیں؟ ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ بات ہوئی ہے یا ہونے والی ہے...... یا علاقہ کون سا ہے؟ اس صورت میں تو ہم پولیس کو بھی خبردار نہیں کر سکتے۔ ہم انہیں کیا بتائیں گے؟ اور کس علاقے کی پولیس سے رابطہ قائم کریں گے؟ اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم سب کچھ ذہن سے جھٹک دو اور سو جاؤ"۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے"۔ عالیہ اس کا بازو دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑتے ہوئے بولی۔ "مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ واقعہ ہماری زندگیوں کو متاثر کرے گا"۔

"جس معاملے میں ہم سرِدست کچھ بھی کرنے سے قاصر ہوں اس کے بارے میں سوچ سوچ کر اپنے آپ کو ہلکان مت کرو اور سو جاؤ"۔ وہ عالیہ کا سر تھپکتے ہوئے بولا۔ عالیہ نے اپنے منتشر ریشمی بال چہرے سے ہٹاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ ملگجے اندھیرے میں وہ نہایت مطمئن انداز میں مسکرا رہا تھا۔ اس کے لمبے چوڑے' مضبوط وجود کو دیکھ کر عالیہ کو بے پناہ طمانیت کا احساس ہوا۔ وہ ایک مضبوط قلعے کی پناہ میں تھی۔ کوئی ہاتھ اس تک مشکل سے ہی پہنچ سکتا تھا۔ منیر نے نہایت آہستگی سے اسے لٹا دیا اور رفتہ رفتہ وہ نیند کی آغوش میں چلی گئی۔



رات کے پچھلے پہر کلفٹن تھانے میں فون کی گھنٹی بجی۔ ہیڈ محرّر غلام حسین میز پر سر رکھے نیم غنودگی کے عالم میں تھا۔ تھانے میں اس وقت اس کے اور تین سپاہیوں کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا۔ خلاف معمول تھانے میں آج کی رات خاصی پُرسکون تھی۔

پانچویں گھنٹی پر غلام حسین نے نہایت بیزاری کے عالم میں ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا اور غنودگی زدہ مگر رٹے رٹائے سے انداز میں بولا۔ "کلفٹن تھانہ...... اے ایس آئی غلام حسین اسپیکنگ...... آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟"

دوسری طرف سے صاحب کے بجائے کسی صاحبہ کی لرزتی سی آواز سنائی دی۔

غنودگی کے باوجود غلام شاہ کے لئے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ آواز صرف خوف کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ بڑھاپے کی وجہ سے بھی کانپ رہی تھی۔ دوسری طرف سے بولنے والی یقیناً کوئی عمر رسیدہ خاتون تھی۔

"میں........ میں کسی ذمے دار آفیسر سے بات کرنا چاہتی ہوں"۔ وہ کہہ رہی تھی لہجے سے یہ بھی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کوئی پڑھی لکھی عورت ہے۔

"میرے بارے میں آپ نے کیوں فرض کر لیا کہ میں غیر ذمے دار آفیسر ہوں بی بی؟" غلام حسین جماہی لے کر ناگواری سے بولا۔ "اس وقت تو پورے تھانے کی ذمے داری میں سنبھالے بیٹھا ہوں۔ ویسے بھی ہمارے ہاں اردلی سے لے کر ایس پی صاحب تک........ اور اس سے بھی اوپر تک سبھی ذمے دار ہوتے ہیں خاتون! ہماری ذمے داریاں تو اسی دن سے شروع ہو جاتی ہیں جس دن ہم بھرتی ہوتے ہیں اور محکمے کا نائی ہماری قلمیں صاف کر کے اور بالوں کی کھیتی اجاڑ کے ہمیں پریڈ پر بھیجتا ہے مگر آپ معزز شہری ہماری ریٹائرمنٹ تک ہمیں غیر ذمے دار ہی سمجھتے رہتے ہیں۔ البتہ شہر میں ہونے والے ہر چھوٹے بڑے واقعہ کی ذمہ داری ہم پر ڈالتے رہتے ہیں"۔

"آپ تو ناراض ہونے لگے"۔ خاتون گویا شرمندہ سی ہو کر بولیں۔ "وہ دراصل مجھے کچھ تجربہ نہیں ہے تھانے وغیرہ کا........ کچھ اندازہ نہیں ہے کہ کس سے بات کرنی چاہئے اور کس سے نہیں........"

"مسئلہ کیا ہے؟" غلام حسین نے خاتون کی بات کاٹتے ہوئے ایک اور جماہی لے اور کرسی کے پشتے سے ٹیک لگا کر ٹانگیں میز پر رکھ لیں۔ ٹوپی اس نے پہلے ہی اتار کر میز پر رکھی ہوئی تھی۔ اب وہ اپنے آپ کو کافی آرام دہ پوزیشن میں محسوس کر رہا تھا۔

"میں ایک بیوہ ہوں جی! میرے میاں سرکاری افسر تھے۔ چند سال پہلے ہی ان کا انتقال ہوا"۔ خاتون کچھ سنبھل کر بولیں۔ "یہیں کلفٹن میں وہ میرے نام ایک مکان چھوڑ گئے تھے۔ مکان ذرا پرانا ہے لیکن خاصا بڑا ہے........ قیمتی جائداد ہے دو بچے ہیں میرے۔ دونوں کینیڈا میں سیٹل ہو گئے ہیں میں اس مکان میں کافی عرصے اکیلی ہی رہی

ہوں........"

غلام حسین گویا ضبط نہ کر سکا۔ ایک بار پھر عورت کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

"دیکھیں بی بی! میری آپا جی........ یا خالہ جی! کیا آپ نے رات کے ڈیڑھ بجے مجھے اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بتانے کے لئے فون کیا ہے؟ بات مختصر کریں نا........ اصل مسئلے کی طرف آئیں۔ یہ تھانے کا فون ہے۔ زیادہ انگیج نہیں رہنا چاہئے۔ بڑی ضروری کالیں آنی ہوتی ہیں"۔

"میں تو جی مختصر ہی بات کر رہی ہوں۔ میں چاہتی ہوں بات ذرا اچھی طرح آپ کی سمجھ میں آجائے........" خاتون قدرے شرمندگی سے بولیں۔

"کیا آپ کے گھر میں ڈاکو گھس آئے ہیں اور انہوں نے آپ کو کمرے میں بند کر رکھا ہے؟ اور آپ چوری چھپے فون کر رہی ہیں؟" غلام حسین نے تجسس سے پوچھا۔

"جی نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں"۔ خاتون کے لہجے میں خفگی سی آگئی۔ "اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ڈاکوؤں نے کبھی اس گھر کا رخ نہیں کیا۔ میرے گھر میں ان کے مطلب کی کوئی چیز ہے بھی نہیں لیکن ذاتی تجربہ نہ ہونے کے باوجود اخباروں وغیرہ میں ڈکیتی کی جو خبریں میں پڑھتی ہوں ان میں عام طور پر لکھا ہوتا ہے کہ ڈاکو گھر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے ٹیلیفون کے تار کاٹ دیتے ہیں"۔

"ہاں........ یہ بات تو ہے"۔ غلام حسین شرمندہ ہوئے بغیر سر کھجاتے ہوئے بولا۔ "لیکن میں نے سوچا شاید........" پھر اس نے ایک گہری سانس لی۔ "وہ جی........ دراصل پولیس والوں کو سارے اینگل ذہن میں رکھنے پڑتے ہیں۔ ہاں تو........ مسئلہ کیا ہے؟"

"تقریباً ایک سال پہلے میں نے اوپر کی منزل پر دو بڑے کمرے کرائے پر اٹھا دیئے تھے"۔ خاتون گہری سانس لے کر بولیں۔ "میں نے سوچا تھا کہ ایک تو تنہائی کی وجہ سے جو خوف محسوس ہوتا ہے وہ دور ہو جائے گا اور چار پیسے کی آمدنی بھی رہے گی۔ تین لڑکیوں نے مل کر وہ کمرے لئے ہوئے ہیں۔ ایک میں انہوں نے مشترکہ ڈرائنگ روم بنایا ہوا ہے اور دوسرے بڑے ہال نما کمرے میں وہ سوتی ہیں۔ ایک لڑکی غیر ملکی فضائی کمپنی میں ایئرہوسٹس ہے۔ دوسری ایک اونچے درجے کے اسپتال میں اسٹاف نرس ہے اور

تیسری ایک دفتر میں سیکرٹری ہے۔ پڑھی لکھی لڑکیاں ہیں۔ آپس میں گہری دوست ہیں........"

غلام حسین ایک بار پھر بات کاٹے بغیر نہ رہ سکا۔ "تو کیا ان کے بوائے فرینڈ........ میرا مطلب ہے گھر میں کوئی بدمعاش وغیرہ........؟ آپ تنگ ہیں ان سے؟" وہ ذرا سنبھل کر بیٹھ گیا تھا۔

"جی نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں۔ وہ بڑی اچھی لڑکیاں ہیں۔ میں نے تو آپ کو اس لئے فون کیا ہے کہ شاید وہ کسی مصیبت میں ہیں۔ شاید اوپر کوئی حادثہ پیش آگیا ہے۔ میں نے سیڑھیوں کے قریب کھڑی ہو کر انہیں کئی آوازیں دیں لیکن کوئی جواب نہیں آ رہا۔ اوپر جا کر دیکھنے کی میری ہمت نہیں پڑ رہی۔ رات کا وقت ہے اور میں تنہا بوڑھی عورت........"

"آپ کو کیسے اندازہ ہوا کہ اوپر گڑبڑ ہے یا کوئی حادثہ پیش آگیا ہے؟" غلام حسین نے عورت کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا' ہمارا مکان کافی پرانا ہے۔ اوپر والے بڑے کمرے کا جو باتھ روم لڑکیوں کے استعمال میں رہتا ہے اس کے عین نیچے میرے پرانے بیڈروم کا باتھ روم ہے۔ کچھ عرصے سے میں نے بیڈروم بدل لیا ہے۔ اب میرا پرانے کمرے میں کبھی کبھار ہی جانا ہوتا ہے لیکن کچھ دیر پہلے مجھے اتفاق سے ایک چیز کی تلاش میں اپنے پرانے کمرے اور پرانے باتھ روم میں جانا پڑا........" خاتون کو گویا جھرجھری سی آگئی اور خوف سے ان کی آواز بیٹھ گئی۔

"پھر کیا ہوا؟" غلام حسین نے بے تابی سے پوچھا۔

"اوپر کے باتھ روم سے جو پائپ نیچے والے باتھ روم میں آ رہا ہے اس کے اردگرد سیمنٹ کچھ ہٹ گیا ہے اور تھوڑا تھوڑا پانی رس کر لکیروں کی سی صورت میں پائپ پر آتا رہتا ہے"۔ خاتون ایک لمحے کے توقف کے بعد بولیں۔ "لیکن اس وقت اوپر سے خون رس رس کر پائپ پر آ رہا ہے۔ پائپ پر گہری سرخ لکیریں پڑ گئی ہیں جو عنابی ہوتی جا رہی ہیں اور خشک بھی ہو رہی ہیں"۔

"ممکن ہے لڑکیوں نے اوپر کوئی کام کیا ہو اور سرخ رنگ کا کوئی محلول وغیرہ باتھ روم میں بہایا ہو"۔ غلام حسین نے خیال ظاہر کیا۔

"آفیسر صاحب! میں بوڑھی ضرور ہوں اور میری نظر بھی کمزور ہے۔ چشمہ لگاتی ہوں۔ ممکن ہے آپ مجھے سنکی بھی سمجھ رہے ہوں لیکن میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ مجھے کم از کم خون اور دوسری سرخ چیزوں کے درمیان امتیاز کرنا آتا ہے"۔ خاتون تحمل سے بولیں۔ "دوسری بات یہ ہے کہ پہلے جب بھی کبھی مجھے لڑکیوں سے بات کرنا ہوتی ہے تو میں سیڑھیوں کے قریب کھڑی ہو کر آواز دیتی ہوں۔ کوئی نہ کوئی لڑکی میری آواز سن لیتی ہے کبھی کبھار ان کے فون بھی نیچے ہی آتے ہیں لیکن آج میرے پکارنے پر بھی کوئی جواب نہیں آیا۔ سیڑھیاں باہر کی طرف ہیں۔ میں باہر اندھیرے میں کھڑے ہو کر زیادہ دیر تک آوازیں دینے کا بھی حوصلہ نہیں کر سکی۔ جلدی سے اندر آ کر میں نے نیچے کا دروازہ بند کر لیا ہے اور آپ کو فون کرنے لگی ہوں۔ آپ جلدی سے کچھ کریں۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ اوپر کوئی گڑبڑ ضرور ہے"۔

"آپ نے کسی قسم کی کوئی آواز نہیں سنی؟" غلام حسین نے پوچھا۔

"جی نہیں اور میرا خیال ہے آپ باقی پوچھ گچھ یہاں آ کر ہی کر لیجئے گا۔ پہلے ہی باتوں میں کافی وقت ضائع ہو گیا ہے"۔ خاتون بے چینی سے بولیں۔

"وہ وقت میں نے نہیں' آپ نے ہی ضائع کیا ہے"۔ غلام حسین بولا۔ "اور حالت یہ ہے کہ ابھی تک مجھے آپ کا نام بھی نہیں معلوم"۔

"کنیز فاطمہ........ ویسے میں پاس پڑوس میں بیگم قریشی کے نام سے مشہور ہوں۔ ایڈریس نوٹ کر لیجئے........" انہوں نے ایڈریس بتایا جو غلام حسین نے نوٹ کر لیا پھر پنسل سے سر کھجاتے ہوئے بولا۔ "دیکھیں بی بی! تھانے میں اس وقت میرے علاوہ کوئی بھی ایسا آدمی نہیں ہے جو کسی واردات کی تفتیش کے لئے جا سکے اور میں اپنی جگہ چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ میں وائرلیس پر ان گاڑیوں سے رابطہ قائم کرتا ہوں جو گشت پر یا تفتیش پر نکلی ہوئی ہیں۔ جو افسر بھی فارغ ہوا وہ آپ کے ہاں چند منٹ میں پہنچ جائے گا۔ گھبرائیں مت"۔

غلام حسین نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ اے ایس آئی شجاعت علی ایک خوش پوش نوجوان کو کالر سے پکڑے کمرے میں داخل ہوا۔ نوجوان کے بال منتشر اور آنکھیں سرخ تھی۔ وہ بُری طرح لڑکھڑا رہا تھا۔ دو کانسٹیبل بندوقیں تھامے اس کے پیچھے تھے۔ شجاعت علی کچھ دیر پہلے ہی کانسٹیبلوں کے ساتھ گشت پر نکلا تھا۔ وہ نوجوان کو غلام حسین کی میز پر دھکیلتے ہوئے بولا۔

"اس کھوتے کے پتر کو ڈاکٹر صاحب کے پاس بھجوا کر میڈیکل سرٹیفکیٹ لو اور لاک اپ میں ڈال دو۔ اس کی پکی ایف آئی آر کاٹنی ہے۔ شہدے کا بچہ ایک تو نشے میں گاڑی چلا رہا تھا' میں نے روکا تو اوپر سے رعب جھاڑنے لگا کہ میرے باپ کے بڑے افسروں سے تعلقات ہیں۔ وہ تو شکر ہے اس وقت سڑک پر زیادہ ٹریفک نہیں تھا ورنہ اس نے چار چھ بندے مار دینے تھے۔ صبح سے پہلے اس کے باپ کو مت بلوانا۔ پکی کاروائی ڈال دو۔ اس کے بعد دیکھتے ہیں اس کا باپ کس کس سے فون کرواتا ہے اور کون کون سی سفارشیں ڈلواتا ہے"۔

"دیکھیں جناب........! آپ میری بات تو سنیں........ آپ تو خوامخواہ بُرا منا گئے........ میرا مطلب یہ تو نہیں تھا........؟" نوجوان لڑکھڑاتی آواز میں بولا پھر اس نے پرس جیب سے نکال کر ہوا میں لہرایا۔ "دیکھیں اگر آپ لوگ چاہیں........"

"بس اوئے........ رکھ لو اس کو جیب میں۔ جب بات چیت کا موقع تھا اس وقت تو تم کو رعب ڈالنے سے فرصت نہیں تھی"۔ شجاعت علی نے حقارت سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور پرس دور جا گرا۔ ایک کانسٹیبل نے پرس اٹھا کر نہایت شریفانہ انداز میں نوجوان کی جیب میں ڈال دیا۔

ہیڈ محرّر غلام حسین میز پر ہاتھ مار کر شجاعت علی سے مخاطب ہوا۔ "اس معاملے کو تو میں سنبھال لوں گا یار! تم اس کو چھوڑو اور جلدی سے اس ایڈریس پر پہنچ جاؤ۔ بڑے اچھے موقع پر آ گئے ہو تم۔ میں تو ابھی وائرلیس پر پیغام دینے ہی لگا تھا"۔ اس نے کاغذ کا ٹکڑا پھاڑ کر شجاعت علی کی طرف بڑھایا۔

"اس ایڈریس پر کیا کیس ہے؟" شجاعت علی نے کاغذ کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ رنگین اور سنگین کیس لگتا ہے"۔ غلام حسین پنسل انگلیوں میں گھماتے ہوئے بولا۔ "زیادہ تفصیل معلوم نہیں ہو سکی جو کچھ اطلاع آئی ہے وہ میں تمہیں بتا دیتا ہوں........" اس نے ٹیلیفون پر بیگم قریشی سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ اسے سنا دیا۔

"ٹھیک ہے میں موقع پر جا رہا ہوں"۔ شجاعت علی مستعدی سے بولا اور دونوں کانسٹیبلوں کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے دفتر سے نکل گیا۔

"شجاعت علی چالیس کے پیٹے میں تھا مگر اصل عمر سے کم کا لگتا تھا۔ وہ قدرے بھاری جثے کا ایک بارعب آدمی تھا۔ اس کے چہرے پر سخت گیری کے سوا کسی جذبے کا عکس دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس کے سامنے خواہ کیسا بھی منظر ہوتا' اس کے تاثرات تبدیل نہیں ہوتے تھے۔ جذباتیت اسے چھُو کر بھی نہیں گزری تھی۔

مطلوبہ مکان پر پہنچ کر اس نے جیپ سے اتر کر گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ ہر طرف سکوت تھا۔ کبھی کبھار جھینگر یا کسی چوہے کی آواز سنائی دے جاتی تھی یا پھر درختوں کے درمیان سرسراتی ہوئی ہوا تھی۔ اس کے سوا کہیں سے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ بیشتر خوبصورت اور پُرشکوہ مکانات تاریکی اور سکوت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ شجاعت علی نے کال بیل کا بٹن دبایا۔

چند لمحے بعد گیٹ کے قریب کھڑکھڑاہٹ سنائی دی پھر عجیب سی آواز ابھری۔ "کون ہے؟"

"تب شجاعت علی کو اندازہ ہوا کہ گیٹ کے ستون میں انٹرکام نصب تھا اور آواز اسی سے آئی تھی۔ وہ انٹرکام پر جھکتے ہوئے بولا۔ "پولیس........ آپ نے کچھ دیر پہلے تھانے فون کیا تھا"۔

"اوہ........ خدا کا شکر ہے آپ لوگ آ گئے۔ میں ابھی گیٹ کھولتی ہوں"۔ کسی عمر رسیدہ عورت نے گہری سانس لے کر کہا اور چند لمحے بعد گیٹ کھل گیا۔

○--------☆--------○

گیٹ کھولنے والی عمر رسیدہ خاتون نے ملگجے اندھیرے میں عینک درست کرتے ہوئے ان کا جائزہ لیا۔ شجاعت علی نے بارعب لہجے میں پوچھا۔ "بیگم قریشی آپ ہیں؟"

بڑی بی محض اثبات میں سر ہلا کر رہ گئیں۔ شجاعت علی آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "اوپر جانے کا راستہ دکھائیے"۔

بڑی بی کی رہنمائی میں وہ عمارت کی بغل میں پہنچے جہاں سے تنگ سیڑھیاں اوپر جا رہی تھیں۔ بڑی بی سیڑھیوں کے قریب رکتے ہوئے بولیں۔ "یہاں سے آپ اوپر چلے جائیں...... راستہ خودبخود آپ کی سمجھ میں آجائے گا۔ میں اب اندر جا رہی ہوں۔ مجھ میں اوپر جانے کی ہمت نہیں ہے......" ان کی آواز گلے میں پھنسی جا رہی تھی اور وہ سخت خوفزدہ معلوم ہوتی تھیں...... جواب کا انتظار کئے بغیر وہ اندرونی دروازے کی طرف چل دیں۔

شجاعت علی نے ریوالور نکال لیا...... دونوں کانسٹیبلوں نے بھی بندوقیں سیدھی کرلیں اور وہ آگے پیچھے آہستگی سے سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ ان کی کوشش یہی تھی کہ ان کے بھاری بوٹوں سے کوئی آواز پیدا نہ ہو۔ چاروں طرف بے پناہ سکوت تھا۔ شجاعت علی اردگرد کا جائزہ لیتا جا رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ مکان کی بیرونی چاردیواری پھلانگ کر کوئی بھی شخص اندر آسکتا اور لان عبور کرکے ان سیڑھیوں کے راستے اوپر جا سکتا تھا۔

سیڑھیوں کے اختتام پر ایک لمبی چوڑی بالکونی تھی جس کے سرے پر ایک کمرے کا دروازہ نیم وا نظر آ رہا تھا۔ اندر لائٹ آن تھی...... شجاعت علی نے دبے قدموں دروازے پر پہنچ کر اندر جھانکا...... وہ ایک اوسط درجے کا ڈرائنگ روم تھا جہاں صفائی ستھرائی غالب تھی۔ تمام چیزیں قرینے سے اپنی جگہ پر رکھی ہوئی تھیں...... کسی ہنگامے یا بے ترتیبی کے آثار نہیں تھے۔

بالکونی میں دوسرے کمرے کا دروازہ بھی نظر آ رہا تھا لیکن وہ اندر سے بند تھا اس لئے وہ ڈرائنگ روم سے گزر کر دوسرے کمرے میں داخل ہوئے۔ شجاعت علی آگے آگے تھا مگر کمرے میں قدم رکھتے ہی اسے گویا جھٹکا سا لگا اور وہ وہیں رک گیا۔ اس کے تاثرات تبدیل تو نہیں ہوئے مگر چہرہ ایک لمحے کے لئے پتھرا سا گیا۔ دونوں کانسٹیبل تو

لڑکھڑا سے گئے اور ان کی حلق سے عجیب آوازیں نکلیں پھر انہوں نے سنبھل کر جلدی سے بندوقیں یوں سیدھی کرلیں جیسے انہیں یقین ہو کہ ابھی کسی طرف سے کوئی شخص نکل کر ان پر حملہ آور ہوگا۔

کمرے کا منظر لرزہ خیز تھا...... وہ ایک طویل و عریض کمرہ تھا...... سامنے کی دیوار کے ساتھ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تین بیڈ لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے دو پر دو لڑکیوں کی لاشیں موجود تھیں...... ان میں سے ایک تو بیڈ سے تقریباً آدھی نیچے لٹکی ہوئی تھی اور وہ بھی اس عالم میں کہ اس کی گردن جسم سے جدا ہونے میں تھوڑی سی کسر رہ گئی تھی...... اس کا چہرہ اور بال خون میں لتھڑے ہوئے تھے۔ بہت سا خون فرش پر بچھے ہوئے معمولی سے قالین میں جذب ہوچکا تھا۔ بستر کی چادر بھی خون سے داغدار تھی۔ لڑکی کا لباس نوچ کھسوٹ کر تار تار کرکے پھینک دیا گیا تھا۔ اس کے جسم پر بھی ان گنت زخم نظر آ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے جنون کے عالم میں پے در پے وار کرکے اس کے ٹکڑے کرنے کی کوشش کی تھی۔

دوسرے بیڈ پر ایک لڑکی کی لاش اسی عالم میں موجود تھی...... فرق صرف یہ تھا کہ وہ بیڈ سے نیچے نہیں لٹکی ہوئی تھی...... اس کا زخم زخم وجود بیڈ پر ہی آڑا ترچھا پڑا تھا۔ موت کی ہولناکی نے انہیں کچھ کا کچھ بنا دیا تھا مگر پھر بھی اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ زندگی میں وہ خاصی خوبصورت اور نازک اندام لڑکیاں رہی ہوں گی۔

قریب ہی ایک کرسی پر نہایت نفاست سے استری شدہ سفید یونیفارم پھیلا ہوا تھا۔ نرسوں والی سفید کیپ بھی رکھی ہوئی تھی۔ نرس لڑکی صبح ڈیوٹی پر جانے کے لئے یونیفارم تیار کرکے سوئی تھی...... یونیفارم دیکھ کر محمد رفیق نامی ایک کانسٹیبل کے چہرے پر زلزلے کے آثار نمودار ہوئے اور اس کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔ پھر اس نے یوں سختی سے منہ پر ہاتھ رکھ لیا گویا اپنے آپ کو رونے سے باز رکھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

شجاعت علی نے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور سخت لہجے میں پوچھا...... "کیا بات ہے؟ کیا ہو رہا ہے تمہیں؟"

"وہ...... سر......! دراصل میری بہن بھی نرس ہے...... مجھے اس کا خیال آگیا

تھا.........." محمد رفیق پھنسی پھنسی آواز میں بمشکل بولا۔

"لیکن یہ تو تمہاری بہن نہیں ہے نا؟" شجاعت علی نے بدن دریدہ لاش کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں سر!" محمد رفیق کے چہرے پر ہلکی سی سرخی آگئی۔

"تو پھر اتنا جذباتی ہونے کیا ضرورت ہے؟ پولیس میں نوکری کرنی ہے تو دل مضبوط رکھو......" شجاعت علی نے کہا...... اس کے چہرے کی طرح اس کا لہجہ بھی ہر تاثر سے عاری تھا۔ پھر وہ جھک کر اس لاش کا معائنہ کرنے لگا جو بیڈ سے نیچے لٹکی ہوئی نہیں تھی۔

اس نے بیڈ کے گرد چکر لگایا پھر تفہیمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا...... "اس لڑکی کی گردن پر سوتے میں ہی خنجر پھیر دیا گیا ہے...... اس نے کسی قسم کی جدّوجہد نہیں کی یہ صرف تڑپی ہے اور تڑپنے کے دوران ہی اس پر مزید وار کئے گئے ہیں......"

پھر اسی طرح اس نے دوسری لاش کا معائنہ کیا اور خود کلامی کے سے لہجے میں بولا...... "یہ لڑکی بھی سوئی ہوئی تھی...... لیکن شاید پہلی لڑکی کے قتل کے دوران اس کی آنکھ کھل گئی...... اس نے شاید اٹھنے کی کوشش کی تھی لیکن قاتل نے اسے بھی آن دبوچا اور سب سے پہلے اس کی گردن کاٹ ڈالی......" وہ اتنے سیدھے سپاٹ لہجے میں یہ سب کچھ کہہ رہا تھا کہ کانسٹیبل محمد رفیق ایک مرتبہ پھر واضح طور پر جھرجھری لے کر رہ گیا۔ دوسرا کانسٹیبل اعجاز البتہ شجاعت علی ہی کی طرح پُرسکون رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دفعتہً شجاعت علی کی نظر باتھ روم کی طرف چلی گئی جس کا دروازہ آدھے سے زیادہ کھلا تھا اور صاف نظر آ رہا تھا کہ وہاں بھی کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور تھی۔ شجاعت علی تیزی سے باتھ روم کی طرف چل دیا۔ کانسٹیبل اعجاز اس کے پیچھے تھا۔ محمد رفیق وہیں بت بنا کھڑا تھا۔ وہ لاشوں کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

باتھ روم خاصا لمبا چوڑا تھا۔ اندر جھانکتے ہی شجاعت علی کو دیوار کے قریب پڑی ہوئی تیسری لڑکی کی مڑی تڑی لاش نظر آگئی جو پہلی دو لاشوں سے بھی زیادہ لرزہ خیز حالت میں تھی اس کے چہرے پر گہرے نیل بھی تھے۔ ایک آنکھ کے گرد سیاہی مائل حلقہ پڑ گیا تھا اور وہ آنکھ اس حلقے سے باہر نکل آئی تھی۔ موٹی سی بے نور آنکھ گویا کسی کے انتظار

میں دروازے ہی کو تک رہی تھی۔

لڑکی کا سر غالباً واش بیسن سے بھی ٹکرایا گیا تھا کیونکہ اس کے کنارے پر تھوڑے سے بھورے بال چپکے ہوئے تھے اور کچھ خون بھی لگا ہوا تھا۔ لاش کئی جگہ سے کچلی اور مسلی ہوئی تھی۔ ایک بازو جس انداز میں مڑا ہوا تھا اس سے انداز ہوتا تھا کہ وہ ٹوٹ چکا تھا۔ خنجر کے زخموں کے بھی بیسیوں نشانات جسم پر موجود تھے اور خون بہہ بہہ کر نکاسی کے پائپ کے اردگرد جمع ہونے کے بعد اب تو خشک ہو چلا تھا۔ غالباً یہیں سے خون رس رس کر نیچے پہنچا تھا جسے بڑی بی نے پائپ پر بہتے دیکھا تھا۔

شجاعت علی نے بڑے غور سے باتھ روم کے چپے چپے کا معائنہ کیا اور لاش کو چھوئے بغیر اس کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ ایک گہری سانس لے کر وہ سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔ "اس لڑکی پر زندہ حالت میں سب سے زیادہ تشدد ہوا ہے۔ کسی وجہ سے اس نے رات گئے اٹھ کر غسل کرنے کا فیصلہ کیا ہوگا جبکہ اس کی دونوں ساتھی لڑکیاں سو رہی تھیں۔ اسی دوران قاتل کمرے میں داخل ہوا...... غالباً پانی گرنے کی آواز کی وجہ سے اسے احساس نہیں ہو سکا کہ باہر کمرے میں کچھ گڑبڑ ہے۔ شاید پانی بند کرنے کے بعد اسے کوئی آواز سنائی دی اور اس نے دروازہ کھول کر جھانک کر دیکھا اور اسی لمحے قاتل نے اسے آن دبوچا کیونکہ باتھ روم کا دروازہ زبردستی کھولنے کے کوئی آثار نہیں ہیں جبکہ کمرے میں آنے کے لئے قاتل نے ڈرائنگ روم کے دروازے کا تالا کسی اوزار سے کھولا ہے......"

شجاعت علی باتھ روم سے نکل آیا...... اس کا چہرہ بدستور سپاٹ تھا لیکن آنکھیں گہری سوچ کی نشاندہی کر رہی تھیں۔ ریوالور بدستور اس کے ہاتھ میں تھا...... وہ فرش اور دیواروں وغیرہ کا معائنہ کرتے ہوئے بولا...... "قاتل یقیناً ایک لمبا تڑنگا، مضبوط اور طاقتور آدمی تھا...... اور جب انسان پر درندگی اور جنون طاری ہوتا ہے تب تو اس کی طاقت اور بھی بڑھ جاتی ہے...... اسی لئے وہ اتنے سفاکانہ انداز میں تین لڑکیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر چلا گیا اور نچلی منزل تک بھی کوئی آواز نہیں جا سکی......"

"سر......! ممکن ہے قاتل دو یا تین رہے ہوں؟" کانسٹیبل اعجاز نے جھجکتے ہوئے

خیال ظاہر کیا۔

"نہیں...... واردات کا انداز اور میرا تجربہ بتا رہا ہے کہ ایک ہی آدمی کا کام ہے......" شجاعت علی نفی میں سرہلاتے ہوئے بولا...... "بہرحال تفتیش تو ابھی نہ جانے کتنے زاویوں سے کرنی پڑے گی...... ہر امکان کو ذہن میں رکھنا پڑے گا۔ اگر یہ کیس میرے گلے پڑ گیا تو بڑا مسئلہ ہو جائے گا......" پھر اس نے ایک طویل سانس لی گویا دل ہی دل میں اپنے آپ کو صبر کرنے کی تلقین کر رہا ہو...... بالآخر وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا...... "آؤ اب ذرا بڑی بی سے بھی دو دو باتیں کر لیں......"

O---------☆---------O

عالیہ دن چڑھے اٹھ کر ناشتے کے لئے ڈرائنگ روم میں پہنچی تو منیر پہلے ہی موجود تھا۔ وہ کہیں جانے کے لئے تیار نظر آ رہا تھا مگر ناشتہ نہیں کر رہا تھا۔ اخبارات کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ عالیہ غسل کر کے اور لباس تبدیل کر کے ڈرائنگ روم میں آئی تھی مگر وہ خود کو تازہ دم محسوس نہیں کر رہی تھی۔ منیر نے مسکراتے ہوئے گہری نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

"کسی اخبار میں رات والے واقعہ کے بارے میں کوئی خبر موجود ہے؟" عالیہ نے اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"اتنی جلدی خبریں تھوڑا ہی آ جاتی ہیں اخبارات میں......" منیر مسکرایا۔ "جرائم کی زیادہ تر خبریں تو پولیس خود ہی اپنی ایف۔ آئی۔ آر کی بنیاد پر اخبارات کو جاری کرتی ہے۔ ظاہر ہے اس میں کچھ وقت لگتا ہے...... خصوصاً" رات والا واقعہ تو جس وقت رُونما ہوا ہے اُس وقت صبح کے اخبارات کے بیرونی صفحات چھپنے کے لئے پریس میں بھی چلے گئے ہوں گے۔ کل کے اخبارات میں اس کی رپورٹ آئے گی"۔

"وہ تو مجھے معلوم تھا...... آخر میں ایک صحافی...... بلکہ سابق صحافی کی بیوی ہوں......" عالیہ مضمحل سے انداز میں مسکرائی...... "میں تو یونہی پوچھ رہی تھی"۔

"میری صحافت کا بھی تم نے خوب حوالہ دیا......" منیر خوشدلی سے ہنسا...... "وہ تو اتنے سے عرصے میں ہی بھولی بسری سی بات ہو گئی ہے۔ شاید میں اندر سے حقیقتاً" صحافی تھا

ہی نہیں...... اس لئے میں نے اتنی آسانی سے قلم و قرطاس سے رشتہ توڑ لیا...... ورنہ سنا ہے کہ یہ ٹھرک تو عمر بھر نہیں جاتی...... ویسے بھی جب میں اس میدان میں تھا تب بھی بعض لوگ میرے اخبار کو چیتھڑا اور مجھے صحافت کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ کہا کرتے تھے......" وہ ایک بار پھر زور سے ہنسا...... وہ اس وقت ایک خوبصورت مکان میں' حسین بیوی کے سامنے' شاندار ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا' تھری پیس سوٹ پہنے' ماضی کی عسرت زدہ یادوں اور لوگوں کے تیکھے نوکیلے تبصروں سے محظوظ ہو رہا تھا۔

عالیہ سوچ میں ڈوبے لہجے میں بولی...... "وہ جو میں نے خواب دیکھا تھا...... ایک بڑے سے کمرے میں تین لڑکیوں کے قتل کا...... اس قسم کی تو کوئی خبر موجود نہیں ہے کسی اخبار میں؟"

"نہیں...... خدا کا شکر ہے اس قسم کی بھی کوئی خبر موجود نہیں ہے۔ میں نے تقریباً" تینوں قابل ذکر اخبارات دیکھ لئے ہیں......" منیر بولا پھر اس نے بغور عالیہ کی طرف دیکھا اور اخبار رکھتے ہوئے بولا...... "تم لمبی نیند لینے کے باوجود کچھ تازہ دم نظر نہیں آ رہیں"۔

"گزشتہ رات میرے لئے ڈراؤنے خوابوں کی رات تھی کچھ دیر پہلے خواب کے سے انداز میں مجھے ایک اور منظر نظر آیا جس میں' میں نے ایک بیوٹی پارلر میں دو لڑکیوں کو قتل ہوتے دیکھا...... ایک تو بیوٹیشن ہی تھی...... میک اَپ کرنے والی لڑکی...... اور دوسری میک اپ کرانے والی تھی۔ وہ رات کا منظر معلوم ہوتا تھا۔ بیوٹی پارلر میں ان دونوں کے سوا کوئی موجود نہیں تھا۔ معلوم نہیں قاتل کو ایسی جگہوں کا علم کیسے ہو جاتا ہے"۔

"کچھ اندازہ ہوا کہ یہ واقعہ رُونما ہو چکا ہے یا ہونے والا ہے؟" منیر نے پوچھا۔

"نہیں......" عالیہ نے بے بسی سے نفی میں سرہلایا۔

"جائے وقوعہ یا قاتل کے متعلق کوئی ایسا سراغ جس کی مدد سے ہم اس واقعہ کو رُونما ہونے سے روک سکیں؟" منیر نے میز پر جھکتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں......" عالیہ نے ایک بار پھر بے بسی سے نفی میں سرہلایا...... "دراصل

اسی احساس نے تو مجھے پژمردہ کر دیا ہے کہ قدرت نے اگر مجھے کوئی صلاحیت دی بھی ہے تو ادھوری........ یہ صورتِ حال ایک سزا سے کم نہیں کہ میں کسی واقعہ کے دوران میں یا اس سے پہلے ہی اس کا منظر دیکھتی رہوں اور اس کو روکنے کے سلسلے میں کچھ بھی نہ کر سکوں........ اور اب تو یہ منظر میری خواہش' ارادے یا کوشش کے بغیر ہی دکھائی دینے لگے ہیں۔ میں ذہن پر زور بھی نہیں دیتی اور دھندلے دھندلے خواب کی صورت میں یہ سلسلہ اچانک ہی کہیں سے شروع ہو جاتا ہے اور اچانک ہی کہیں ختم ہو جاتا ہے۔ دوبارہ کوئی سرا ہاتھ نہیں آتا"۔ عالیہ کے لہجے میں کرب جھلک آیا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

منیر نے اپنا لمبا سا بازو بڑھایا اور مضبوط ہاتھ سے پیار بھرے انداز میں اس کی کلائی تھپکتے ہوئے بولا........ "تم نے ہر زاویے سے جائزہ لے لیا ہے ناکہ تم اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکتیں؟"

"ہاں........ میں نے ہر پہلو سے مغز کھپایا ہے لیکن اپنے آپ کو بے بس ہی پایا ہے........" عالیہ نے تسلیم کیا۔

"تو پھر اس سلسلے میں فکرمند یا دل گرفتہ ہونے سے کیا حاصل ہو گا؟ اپنے ذہن اور اعصاب پر مزید بوجھ ڈالنے سے کیا ملے گا؟ کسی اور کو بھی اس سے کیا فائدہ پہنچے گا؟" منیر نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا........ "خدا کے لئے سب کچھ ذہن سے جھٹک دو........"

اس دوران ملازمہ ان کے قریب آکھڑی ہوئی۔ منیر اور عالیہ نے اسے بتایا کہ وہ ناشتے میں کیا لینا پسند کریں گے........ ملازمہ کچن میں جا چکی تو منیر ایک بار پھر عالیہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا........ "آؤ کوئی بات کرتے ہیں........ ارے ہاں پرسوں تم لیڈی ڈاکٹر سے ملنے گئی تھیں........ میں تو پوچھنا ہی بھول گیا........ اس نے کیا بتایا؟"

"اس نے بتایا کہ میں کبھی ماں نہیں بن سکتی........" عالیہ نے کسی دل شکستہ بچے کی طرح سر جھکاتے ہوئے افسردگی سے کہا........ "مجھ میں کوئی ایسی جسمانی خرابی موجود ہے جو کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتی........" اس کے لہجے میں بے پناہ مایوسی تھی۔

"اور تم نے بس یہ سن کر منہ لٹکا لیا؟" منیر گویا اس اطلاع سے فکرمند ہونے کے بجائے عالیہ کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔ "تمہیں معلوم ہے اس دنیا میں اَن گنت ڈاکٹروں کے اندازے' رپورٹیں اور فیصلے غلط ثابت ہو چکے ہیں........ تم تو ابھی صرف ایک ہی لیڈی ڈاکٹر سے ملی ہو........ ممکن ہے اس نے اپنے علم اور تجربہ کی روشنی میں درست کہا ہو مگر اس صورت میں بھی تمہیں اپنی امیدیں صرف اور صرف خدا کی ذات سے وابستہ رکھنی چاہئیں........ وہ جو چاہے گا وہی ہو گا"۔

عالیہ نے یک بیک اپنے آپ کو بہتر محسوس کیا........ منیر کی موجودگی' اس کی باتیں چند لمحوں میں عالیہ کا ڈپریشن دور کر دیتی تھیں........ منیر دن بدن اس کی زندگی کا ایک ایسا ناگزیر حصہ بنتا جا رہا تھا کہ کبھی کبھی تو وہ بڑی حیرت سے سوچتی تھی کہ اس نے اب تک کی زندگی اس کے بغیر کیونکر گزاری تھی؟

منیر موضوع بدلتے ہوئے نہایت سرسری سے لہجے میں بولا........ "آج جمعہ ہے........ آج تو تمہاری بھی چھٹی ہے........ تمہیں آج اپنے عقیدت مندوں سے ملاقات نہیں کرنی ہے........ اور تمہیں یاد ہے تین دن بعد نیا سال شروع ہو رہا ہے؟ کیوں نہ آج چل کر تھوڑی سی شاپنگ کر لیں؟ اپنے قریبی دوستوں کو بھیجنے کے لئے چند اچھے سے نئے سال کی مبارکباد کے کارڈ بھی خرید لیں گے"۔ وہ یقیناً اس کا دل بہلانے کے لئے اسے گھر سے باہر لے جانا چاہتا تھا۔

مگر عالیہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی........ "میں شاپنگ کے لئے نہیں جا سکتی........ میرا چار بجے ڈاکٹر معین سے ملاقات کا وقت طے ہے........ آپ اکیلے چلے جائیں........ آپ تو مرد ہونے کے باوجود مجھ جیسی "خاتونِ خانہ" سے اچھی چیزیں خرید لیتے ہیں اور بھاؤ تاؤ بھی خوب کر لیتے ہیں"۔

"لیکن چار بجنے میں تو ابھی چار گھنٹے پڑے ہیں........" منیر گھڑی دیکھتے ہوئے بولا........ "اس دوران تم کیا کرو گی؟"

"میں اخبار کے لئے ایک مضمون لکھنے کی کوشش کروں گی........" عالیہ بولی۔

"لیکن اخبار میں تو تمہارے دو مضمون پہلے ہی پڑے ہوئے ہیں........ تم ان کی

باقاعدہ لکھنے والی تو نہیں ہو........ تم پر کوئی پابندی تو نہیں ہے........" منیر بولا۔

"وہ تو درست ہے........ میں تو صرف اپنے دل کی تسلی کے لئے کبھی کبھار لکھتی ہوں۔ آج میرا لکھنے کو جی چاہ رہا ہے........ اخبار میں پچھلے دنوں ایک عورت کے بارے میں فیچر چھپا ہے۔ جمیلہ اس کا نام ہے........ جو عورتیں امید سے ہوتی ہیں' جمیلہ ایک منٹ کے لئے ان کی کلائی تھام کر اور آنکھیں بند کر کے بتا دیتی ہے کہ ان کے ہاں لڑکا ہو گا یا لڑکی........ وہ ایک سیدھی سادی ان پڑھ عورت ہے........ اب تک اس کی پیش گوئیاں سو فیصد درست نکلی ہیں........ وہ اپنی صلاحیت کی کوئی وضاحت یا تشریح نہیں کر سکتی........ اس کی تشریح میں کر سکتی ہوں........ میں اسی سلسلے میں مضمون لکھنا چاہتی ہوں........ حالانکہ میں اس عورت سے ملی نہیں ہوں لیکن نکتہ میری سمجھ میں آگیا ہے........ وہ عورت خود امید سے ہے........ اور یہ پیش گوئی کرنے کی قوت اسے صرف اس وقت تک حاصل رہے گی جب تک وہ خود ماں نہیں بن جاتی........ اس کے بعد اس کی پیش گوئیاں غلط ثابت ہونے لگیں گی........ یہ میری پیش گوئی ہے........ البتہ یہ عین ممکن ہے کہ جمیلہ دوبارہ امید سے ہو تو اس کی پیش گوئیاں دوبارہ درست ثابت ہونے لگیں........ میں اس کی تشریح کروں گی۔ نفسیات دانوں اور ماہرین روحانیات کے لئے یہ ایک نیا موضوع ہو گا"۔

"اچھا بھئی........ تمہاری مرضی........ تم ضرور لکھو اس موضوع پر........" منیر گہری سانس لے کر بولا........ "تمہیں معلوم ہے کہ مجھے تو ان باتوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں........ میں تو اب بھاری بھر کم ناشتہ کرنے کے بعد آوارہ گردی پر نکل رہا ہوں........ آج کے دن چھٹی تم کرتی ہو لیکن چھٹی درحقیقت صرف میں مناتا ہوں........ ہو سکتا ہے میں رات گئے واپس آؤں........ تم میرا انتظار مت کرنا اور نیند آئے تو سو جانا........ لیکن ڈاکٹر معین سے ضرور مقررہ وقت پر مل لینا........"

ڈاکٹر معین ملک کے مشہور ترین ماہر نفسیات میں سے ایک تھے۔ عالیہ جو سینکڑوں لوگوں کے ذہنوں میں پڑی ہوئی نفسیاتی روحانی گرہیں سلجھانے میں لگی رہتی تھی' خود اپنے نفسیاتی تجزیئے کے لئے کچھ عرصے سے باقاعدگی سے ڈاکٹر معین کے پاس جا رہی تھی۔ اس

کے ذہن کے تاریک نہاں خانوں میں ایک انتہائی خوفناک اور دلخراش واقعے کی یادیں زہر گھولتی رہتی تھیں۔ وہ واقعہ اسے سات سال کی عمر میں پیش آیا تھا اور اس کی یاد آج بھی کنکھجورے کی طرح اس کے لاشعور سے چمٹی ہوئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس واقعہ نے اس کی ذہنی نشوونما پر بڑے عجیب عجیب اثرات مرتب کئے تھے۔ وہ چاہتی تھی کہ کسی طرح وہ نقوش اس کے لاشعور سے مٹ جائیں........ ان یادوں کی جڑیں اس کے حافظے سے نکل جائیں۔ ڈاکٹر معین کے ہاں اس کی تحلیل نفسی کا عمل جاری تھا۔ کئی سیشن ہو چکے تھے مگر ابھی کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی تھی کئی بار وہ ان اذیت ناک یادوں کے مدفن کو تہہ و بالا کر چکے تھے کہ شاید کوئی ایسا نکتہ ہاتھ آجائے جس کا سہارا لے کر وہ عالیہ کو یقین دلا سکیں کہ درحقیقت یہ واقعہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔ بلکہ اس کے ان گنت دوسرے ڈراؤنے خوابوں کی طرح یہ بھی ایک ڈراؤنا خواب تھا جسے بھول جانا ہی اس کے حق میں بہتر تھا مگر ابھی انہیں اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

○--------☆--------○

ڈاکٹر معین نے نہایت خندہ پیشانی سے عالیہ کا استقبال کیا۔ ان کی عمر ساٹھ سے زیادہ تھی اور ان کے سارے بال برف کی طرح سفید تھے مگر وہ ایک صحت مند اور چاق و چوبند آدمی نظر آتے تھے۔ ہونٹوں پر ہمیشہ ایک مشفقانہ مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔ ان کے سینے میں نہ جانے کتنے معروف لوگوں کے کیسے کیسے راز دفن تھے۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے پیشے کے تقدس کو ملحوظ خاطر رکھا تھا اور ان رازوں کی ہمیشہ حفاظت کی تھی۔

ان کے آفس میں دیوار گیر شیلفوں میں شیشے کے رنگ برنگے اور نہایت خوبصورت چھوٹے چھوٹے کھلونے سجے رہتے تھے۔ ان میں سے بعض کھلونے تو انسانی انگوٹھے سے بھی چھوٹے تھے۔ یہ کھلونے ڈاکٹر معین نے فرانس سے بطور خاص منگوائے تھے۔ عالیہ جب پہلی بار ان کے آفس آئی تو اسے ان کھلونوں کی موجودگی قدرے عجیب لگی تھی۔ دوسری ملاقات پر وہ ان کے بارے میں پوچھے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

تب ڈاکٹر معین نے اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے وضاحت کی تھی۔

"انسان کی تمام اچھی یا بُری یادوں کے سرے کسی نہ کسی طرح اس کے بچپن سے جا کر

ضرور ملتے ہیں اور کھلونے خواہ بچپن میں کسی کو نصیب ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں لیکن یہ ہر انسان کو بچپن کی یاد ضرور دلاتے ہیں۔ اس طرح میرے ہاں علاج کے لئے آنے والا کوئی بھی شخص جیسے ہی میرے آفس میں قدم رکھتا ہے' اس کے ذہن سے میری چھیڑ چھاڑ کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور جب تک میں اسے کلینک میں لے جاتا ہوں تب تک اس کے ذہن کے خوابیدہ حصوں کو بھی تحریک مل چکی ہوتی ہے"۔

ڈاکٹر معین کے لئے عالیہ خاص الخاص مریض تھی گو کہ وہ اس کی پیٹھ پیچھے اس کے لئے "مریض" کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے وہ اسے اس وقت بلاتے تھے جب اسے زیادہ سے زیادہ توجہ دے سکتے تھے۔ ایک بار تو انہوں نے اس بات کو اپنے لئے ایک اعزاز قرار دیا تھا کہ عالیہ جیسی شخصیت نے ان کی خدمات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

رسمی باتیں ہو چکیں اور کولڈ ڈرنکس کا دور چل چکا تو عالیہ ڈاکٹر معین کے ساتھ اس کمرے میں آ گئی جسے کلینک کہا جاتا تھا اس کمرے میں پہنچ کر انسان کو صحیح معنوں میں تخلئے کا احساس ہوتا تھا۔ ایئرکنڈیشنڈ سے ہلکی سی سرسراہٹ کے ساتھ پھوٹتی ہوئی خنک خنک لہریں...... مدھم نیلگوں روشنی...... ساؤنڈ پروف دروازہ...... اور دیواروں پر گہرا' سپاٹ رنگ۔ یہاں قدم رکھتے ہی انسان گویا دنیا کے ہنگاموں سے کٹ جاتا تھا۔

عالیہ گدیلے اور آرام دہ دیوان پر نیم دراز ہو گئی۔ ڈاکٹر معین اس کے قریب ایک نیچے سے اسٹول پر بیٹھ گئے ان کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا ایک دھاگا تھا جس کے سرے پر سرخ رنگ کی' شیشے کی ایک موٹی سی چوڑی بندھی ہوئی تھی۔ دھاگے کا سرا چٹکی میں دبا کر انہوں نے چوڑی کو پنڈولم کی طرح عالیہ کی آنکھوں کے عین سامنے ہلانا شروع کر دیا۔

ایک خاص ردھم سے دھاگا ہلاتے ہلاتے ڈاکٹر معین کی آواز گویا کسی کنوئیں کی تہہ سے ابھرنے لگی۔ "تم سو رہی ہو...... تم سو رہی ہو...... تم بہت تھک چکی ہو...... تمہیں آرام کی ضرورت ہے...... تم سو رہی ہو...... تم سو چکی ہو...... تم سو چکی ......"

عالیہ کی آنکھیں دھیرے دھیرے بند ہونے لگیں۔ ڈاکٹر معین کی تکرار جاری تھی۔ مخصوص الفاظ کی گردان کے ساتھ ان کے لہجے میں اتار چڑھاؤ آتا رہا۔ پھر یکدم ان کی

آواز سرگوشی میں ڈھل گئی "تم سات سال کی ایک بچی ہو...... خوبصورت...... سنجیدہ اور صحت مند...... تم کہاں رہ رہی ہو؟"

"ایک بہت بڑے مکان میں...... یہاں بڑا سا لان ہے...... پودے ہیں...... درخت ہیں......" عالیہ نے نہایت دھیمی اور غنودگی زدہ آواز میں جواب دیا۔ اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔

"اور یہاں ایک مالی بھی ہے"۔ ڈاکٹر معین گویا اپنی آواز اپنا لہجہ عالیہ کے لہجے و آواز سے مشابہہ رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ "یہ مالی پختہ العمر ہے مگر جوانوں کی طرح مستعد اور مضبوط نظر آتا ہے...... ذرا بدشکل سا ہے...... کیا نام ہے اس کا؟"

"قادر بخش"۔ عالیہ نے زیرلب جواب دیا۔

"قادر بخش کہاں رہتا ہے؟"

"گھر میں ہی...... پیچھے والے لان کے قریب اسے ایک چھوٹا سا کمرہ ملا ہوا ہے۔ اکثر وہ لان پر ہی کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہے...... مجھے مذاق میں اکثر چھیڑتا ہے' عجیب عجیب ناموں سے پکارتا ہے۔ اکثر وہ مجھے بڑی بی کہتا ہے"۔

"اس کے بیوی بچے نہیں ہیں؟"

"میں نے اکثر ذکر سنا ہے...... اس کی بیوی اور ایک لڑکا ہے...... خاصا بڑا ہے...... شاید مجھ سے بھی بڑا...... لیکن میں نے انہیں کبھی دیکھا نہیں...... سنا ہے وہ کسی گاؤں میں رہتے ہیں۔ قادر بخش کہتا ہے وہ جلد ہی انہیں اپنے پاس بلا لے گا کیونکہ اب اس کے پاس رہنے کو تو جگہ ہے اور تنخواہ بھی اچھی ہے......" عالیہ کی آواز معدوم ہو گئی۔

"تمہیں گرمیوں کی وہ دوپہر یاد ہے جب تمہارے پاپا آفس گئے ہوئے تھے اور گھر میں جو تین چار افراد تھے وہ اپنے اپنے کمروں میں سوئے ہوئے تھے؟ تمہیں یاد ہے نا......؟"

"ہاں...... مجھے یاد ہے...... گھر بالکل ویران لگ رہا تھا...... مجھے نیند نہیں آ رہی تھی میں نے اپنا ہوم ورک ختم کیا اور باہر جا کر لان پر گھومنے لگی...... ہر طرف خاموشی

اور سناٹا تھا........ میں پچھلے لان پر پہنچی تو قادر بخش وہاں کھُرپی سے ایک کیاری کھود رہا تھا........ میں ایک تتلی کو پکڑنے کی کوشش کر رہی تھی اور وہ بار بار کن اکھیوں سے میری طرف دیکھے جا رہا تھا........" اس کی آواز ایک بار پھر معدوم ہو گئی۔

"پھر کیا ہوا؟" ڈاکٹر معین کی آواز گویا اسے عالم خواب میں بولنے کی تحریک دے رہی تھی۔

"پھر وہ اٹھ کر میرے قریب آیا اور کہنے لگا۔ میں تمہیں تتلی پکڑ دیتا ہوں"۔ مگر اس نے تتلی کے بجائے جھپٹ کر اچانک مجھے پکڑ لیا اس کا کھردرا ہاتھ سختی سے میرے منہ پر جم گیا........ بلکہ میرا تقریباً پورا چہرہ ہی اس کے لمبے چوڑے ہاتھ کے نیچے چھپ گیا........ میں اس کی گرفت میں ایسے ہی تھی جیسے بچے کے ہاتھوں میں تتلی۔ وہ مجھے اپنی کوٹھری میں لے گیا........ میں زیادہ مچلی تو اس نے میرے سر پر گھونسا مارا........ میری نظروں کے سامنے اندھیرا چھا گیا مگر اذیّت کا احساس برقرار رہا مجھے یوں لگا جیسے چاقو سے میرے جسم پر پے در پے وار کئے جا رہے ہوں........ میرے وجود کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جا رہا ہو........"

"تم نے قادر بخش کو چاقو سے وار کرتے دیکھا؟"

"نہیں........ میری آنکھیں بند تھیں' شاید میں بے ہوش ہو چکی تھی........ لیکن میں نے کہا نا کہ اذیّت کا احساس زندہ تھا........ شاید میرا سر بھی لوہے کی چارپائی سے ٹکرایا گیا تھا اور چاقو کے وار........ آہ........ میرا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہوا جا رہا تھا........" کمرے میں عالیہ کی دھیمی دھیمی سسکیاں ابھرنے لگیں جیسے کوئی بچی عالم خواب میں ڈر کر دھیرے دھیرے رو رہی ہو۔

"پھر کیا ہوا؟" ڈاکٹر معین نے آہستگی سے کہا۔

"میری آنکھ کھلی تو میں ہسپتال میں تھی........" سسکیوں کے درمیان عالیہ نے سلسلہ کلام جوڑا۔ "میرا چہرہ اور جسم کا بیشتر حصہ پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا۔ بعد کی باتوں سے پتہ چلا میرا سر کئی بار لوہے کی چارپائی سے ٹکرایا گیا تھا........ جسم پر جا بجا چاقو سے گہرے چرکے لگائے گئے تھے........ اور........ اسے تقریباً ایک معجزہ ہی سمجھا گیا تھا کہ میں زندہ بچ گئی

تھی........ مجھے کئی دن بعد ہوش آیا تھا........ اور اس کے بعد مزید کئی دن خواب آور دواؤں کی بدولت ہوش اور بے ہوشی کے درمیان ہی گزرے مجھے کئی ہفتے ہسپتال میں رہنا پڑا........ خدا کا شکر ہے کہ دو ڈھائی سال کے عرصے میں بہت سے علاج معالجے کے بعد میرے چہرے اور جسم سے چوٹوں اور زخموں کے نشانات بھی رفتہ رفتہ مٹ گئے۔ ان کا باقی رہنا شاید میرے ذہن پر اور بھی برا اثر ڈالتا"۔

"قادر بخش کا کیا بنا؟"

"اسے اپنا ٹرنک اٹھا کر گھر سے فرار ہوتے ہوئے روکا گیا تھا........ شاید وہ نکل ہی جاتا کیونکہ اس وقت میرا کچھ پتہ نہیں چلا تھا۔ گھر والے مجھے ڈھونڈ رہے تھے........ پھر اچانک ملازمہ نے قادر بخش کی کوٹھڑی میں جھانک لیا۔ میں وہاں لہولہان پڑی تھی وہ چیخنے لگی........ اس کی چیخیں سن کر قادر بخش کی گھبراہٹ بڑھ گئی اور اس نے بھاگنے کی کوشش کی........ لیکن اس وقت پاپا آ چکے تھے انہوں نے کسی نہ کسی طرح اسے روک لیا........ یہ سب باتیں مجھے بعد میں معلوم ہوئیں........ حالانکہ میرے اور بھیا کے سامنے کبھی اس واقعہ کے بارے میں کوئی بات نہیں کی گئی........ کوئی بات دھرائی نہیں گئی مگر اُڑتی اُڑتی سی باتیں کان میں پڑتی رہیں........"

"پاپا تو اسے پولیس کے حوالے کرنے سے پہلے ہی اپنے پستول سے گولی مارنے لگے تھے۔ بڑی مشکل سے انہیں روکا گیا بہرحال انہوں نے اسے زیادہ سے زیادہ سزا دلوانے کے لئے اپنا سارا اثر و رسوخ لگا دیا بہت روپیہ بھی خرچ کیا اس کی بیوی اور لڑکا بھی گاؤں سے آ چکے تھے لیکن میں نے یا بھیا نے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔ قادر بخش کو عمر قید کی سزا ہو گئی۔ ان لوگوں کے وسائل نہیں تھے کہ مقدمے کو اعلیٰ عدالتوں میں لے جاتے۔ سزا سننے کے بعد ایک ہفتہ بعد قادر بخش نے اپنی کوٹھڑی میں اپنے گلے میں پھندا ڈال کر خودکشی کر لی سنا ہے مقدمے کی پوری کارروائی کے دوران وہ چیخ چیخ کر ہمیشہ یہی کہتا رہا کہ وہ بے گناہ ہے۔ اس کی بیوی بھی یہی چیختی رہی کہ اس کا شوہر بے قصور ہے........ اور اس کا بیٹا بھی یہی شور مچاتا رہا کہ اس کے باپ کو خواہ مخواہ سزا دی جا رہی ہے۔

"تمہیں صرف اتنا معلوم ہے کہ قادر بخش تمہیں دبوچ کر کوٹھڑی کی طرف بھاگا تھا

اس کے بعد کوئی بات تمہیں صحیح طور پر معلوم نہیں' یہ درست ہے نا؟"

"ہاں......... یہ درست ہے"۔

"اس کے بعد کے کچھ واقعات جو تمہیں یاد ہوں؟"

"عامر بھیا کو کتے پالنے کا اور مجھے بلیاں پالنے کا شوق تھا......... اور عجیب بات تھی کہ ہمارے پالتو کتے اور بلیاں گھر میں بڑے شیروشکر رہتے تھے کتے' بلیوں کو ذرا تنگ نہیں کرتے تھے ان کے علاوہ بھی ہمارے پاس کئی پالتو جانور تھے مگر......... قادر بخش کی خودکشی کے کچھ عرصے بعد یہ ہونے لگا کہ کبھی ہمارا کوئی کتا مرا ہوا ملتا اور کبھی کوئی بلی۔ جو جانور گھر سے نکلتا وہ تو بہت ہی بری حالت میں پایا جاتا۔ ایک کتے کا سر کچلا اور ایک بلی کی دونوں آنکھیں نکلی ہوئی تھیں اور دم کٹی ہوئی تھی۔ کئی جانور گھر میں رہنے کے باوجود مرگئے۔ ہوا یہ کہ کسی نے باہر سے لان پر کوئی زہریلی چیز پھینک دی اور کتا یا بلی اسے کھا کر مرگئی۔ ابا کہتے تھے کہ یہ قادر بخش کے بیٹے کی حرکتیں ہیں۔ اسے انہوں نے کئی مرتبہ گھر کے گرد منڈلاتے دیکھا تھا لیکن وہ ہاتھ نہیں آتا تھا اور صحیح ٹھکانا کسی کو معلوم نہیں تھا آخرکار ہم نے جانور پالنا چھوڑ دیا۔ اس کے کچھ عرصے بعد پاپا نے وہ مکان بھی بیچ دیا لیکن یہ تبدیلی ہمارے لئے اور بھی منحوس ثابت ہوئی کیونکہ اس کے کچھ عرصے بعد ممی اور پاپا کا کار کے حادثے میں انتقال ہوگیا........." عالیہ ایک بار پھر سسکی لے کر رہ گئی۔

"اس کے بعد سے تم نے قادر بخش کی بیوی یا بیٹے کے بارے میں کچھ نہیں سنا؟" ڈاکٹر معین نے پوچھا۔

"نہیں......... خدا کا شکر ہے......... نہ تو میرا پہلے کبھی ان سے سامنا ہوا اور نہ ہی میں نے بعد میں ان کے بارے میں کچھ سنا........"

"بات دراصل یہ ہے عالیہ بیٹی.........!" ڈاکٹر معین نے خوابناک لیکن انتہائی مشفقانہ لہجے میں کہا۔ "کہ یہ واقعہ درحقیقت پیش ہی نہیں آیا۔ ایسا کوئی واقعہ تم پر نہیں گزرا۔ یہ تمہارے تخیل کی پیداوار ہے تمہارا دیکھا ہوا کوئی خواب ہے جو تمہارے ذہن کے کسی حصے میں محفوظ ہوگیا ہے......... یا پھر یہ کسی اور کے ساتھ بیتا ہوا واقعہ ہے جو تمہیں سنایا گیا اور تمہارے ذہن پر نقش ہوگیا یا پھر یہ کسی اخبار یا رسالے میں پڑھی ہوئی کوئی خبر یا

رپورٹ ہے جو تمہارے لاشعور میں محفوظ ہوگئی ہے اور تمہیں ستاتی رہتی ہے جب تک تم ان نقوش کو اپنے ذہن سے نہیں کھرچو گی تمہارا ذہن مکمل طور پر نارمل نہیں ہوگا۔ تمہیں ڈراؤنے خواب آتے رہیں گے۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ ان باتوں کو بھول جاؤ ان کا تمہاری حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں میں تمہیں حکم دیتا ہوں......... میں تمہیں حکم دیتا ہوں........"

عالیہ گویا نیند میں کراہی۔ ڈاکٹر معین نے آواز کے ایک خاص زیروبم کے ساتھ یہ تکرار جاری رکھی میں تمہیں حکم دیتا ہوں......... میں تمہیں حکم دیتا ہوں"۔

عالیہ نیند کے سے عالم میں کراہتی رہی اور بالآخر ڈاکٹر معین نے مخصوص الفاظ کی گردان بند کی اور دھیمے لہجے میں پوچھا "تم نے سب کچھ بھلا دیا ہے نا؟"

"ہاں......... میں نے سب کچھ بھلا دیا ہے"۔ عالیہ مرتعش آواز میں بولی۔

"بہت خوب......... اب تم بیدار ہو جاؤ......... دھیرے دھیرے بیدار ہو جاؤ........."

چند لمحے بعد دھیرے دھیرے عالیہ نے آنکھیں کھول دیں۔ ڈاکٹر معین بہت خوش تھے کہ آج وہ عالیہ کو ہپناٹائز کرنے میں صحیح طور پر کامیاب ہوگئے تھے۔ انہوں نے دل خراش یادوں کو عالیہ کے ذہن سے کھرچ دیا تھا اس سے پہلے وہ عالیہ کو صرف اس حد تک ہپناٹائز کرنے میں کامیاب ہوسکے تھے کہ اس سے بچپن کے واقعات کی تمام تفصیل معلوم کرلیتے تھے لیکن جب وہ اسے حکم دیتے تھے کہ وہ ان یادوں کو ذہن سے کھرچ پھینکے کیونکہ ان کا اس کی زندگی میں کوئی تعلق نہیں تو عالیہ کا ذہن' اس کی قوت ارادی اور اس کی قوت تخیل مزاحمت شروع کردیتی تھی وہ یہ تسلیم کرنے سے انکار کردیتی تھی کہ ان واقعات کا اس کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن آج اس نے تنویمی حالت میں ڈاکٹر معین کا حکم قبول کرلیا تھا۔

"مبارک ہو........." ڈاکٹر معین بولے۔ "آج سے تمہارا ذہن بالکل ہلکا پھلکا رہے گا بچپن کی کوئی تکلیف دہ یاد تمہیں نہیں ستائے گی"۔

"وہ کیسے؟" عالیہ پیشانی مسلتے ہوئے بولی۔ "کیا آپ نے کوئی طلسمی عمل کیا ہے؟"

"بعض سادہ لوح قسم کے لوگوں کے لئے ہپناٹزم بھی طلسم سے کم نہیں لیکن تم تو

سب کچھ سمجھتی ہو جانتی ہو۔ بس آج سے کوئی ناخوشگوار یاد تمہیں نہیں ستائے گی"۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں ڈاکٹر صاحب!" عالیہ اٹھتے ہوئے بولی اس کے مرمریں پاؤں دیوان سے نیچے قالین پر آ ٹکے اور وہ اپنے مخملیں سینڈلوں کو گھورنے لگی۔ اس کی خوبصورت پیشانی پر کئی شکنیں تھیں۔

ایک لمحے کے بعد وہ سر اٹھا کر بے بسی آمیز سے لہجے میں بولی۔ "میرے ذہن میں تو تکلیف دہ یادوں نے پہلے سے زیادہ طوفان مچا رکھا ہے۔ پہلے سے زیادہ کنکھجورے میری نس نس میں پنجے گاڑ رہے ہیں۔ میں صرف ذہنی ہی نہیں جسمانی اذیت بھی محسوس کر رہی ہوں۔ قادر بخش والے واقعے کی یادیں اس وقت بھی میری رگ و پے میں زہر گھول رہی ہیں........"

"اف........!" ڈاکٹر معین نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ "اس کا مطلب ہے مجھے آج بھی دھوکا ہوا۔ آج کا سیشن بھی بیکار گیا۔ تمہارا ذہن اور تمہاری قوت ارادی ایک مضبوط قلعے کی طرح ہے۔ میری ہپناٹزم کی صلاحیتیں تمہارے لاشعور کی فصیلوں کے سامنے بے بس ہو جاتی ہیں۔ میں تمہیں صرف جزوی طور پر ہپناٹائز کرنے میں کامیاب ہو پاتا ہوں"۔

پھر وہ گویا عزمِ نو کے ساتھ سر اٹھاتے ہوئے بولے "لیکن خیر........ ہم کوششیں جاری رکھیں گے۔ شاید میں تمہارے لاشعور کی فصیلوں میں نقب لگانے میں کامیاب ہو جاؤں یا پھر شاید کوئی اور طریقہ نکل آئے۔ ہمیں بہرحال کوششیں ترک نہیں کرنی چاہئیں"۔

"مجھے تو آپ جب بھی وقت دیتے رہیں گے میں آتی رہوں گی"۔ عالیہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "میرا بھلا کیا جاتا ہے مجھ سے تو آپ فیس بھی نہیں لیتے"۔

"مجھے بھی تو اپنے معاملات میں تمہاری مدد کی ضرورت پڑتی رہتی ہے تم ہمیشہ بے لوث انداز میں میرے کام آئی ہو۔ تم سے فیس لینے کا میں بھلا کیسے تصور کر سکتا ہوں"۔ ڈاکٹر معین نے شفقت سے اس کا کندھا تھپکا۔

"بہت شکریہ........ اب میں چلتی ہوں آئندہ سیشن کے لئے میں فون پر آپ سے

وقت لے لوں گی"۔ عالیہ سینڈل پہن کر اٹھتے ہوئے بولی۔

"ایسی جلدی بھی کیا ہے"۔ ڈاکٹر معین بھی اٹھتے ہوئے بولے۔ "اس وقت میں بھی فارغ ہوں۔ کچھ دیر میرے ساتھ چل کر آفس میں بیٹھو۔ مجھے تم سے اپنے دو ایک مریضوں کے بارے میں تبادلۂ خیال کرنا ہے۔ ان کا اپنا خیال ہے کہ ان پر آسیب کا سایہ ہوگیا ہے لیکن تمہیں معلوم ہے میں آسیب کو نہیں مانتا۔ وہ بھی پڑھے لکھے اور روشن خیال لوگ ہیں۔ ظاہر ہے تب ہی مجھ جیسے ڈاکٹر کے پاس علاج کے لئے آئے ہیں۔ میں ان کے بارے میں بڑی الجھن میں ہوں۔ ان معاملات میں تمہارا مطالعہ اور مشاہدہ بہت وسیع ہے۔ میں چاہتا ہوں ذرا تفصیلاً تم سے بھی تبادلۂ خیال ہو جائے۔ تمہارے پاس مزید کچھ وقت ہے؟"

"میں تو بالکل ہی فارغ ہوں"۔ عالیہ مسکرائی۔ "منیر بھی گھر پر نہیں ہیں۔ معلوم نہیں کس وقت واپس آئیں۔ آپ ضرور مجھے ان مریضوں کی ہسٹری بتائیں۔ میرا ناقص ذہن جس نتیجے پر بھی پہنچ سکا' میں ضرور آپ کو بتاؤں گی"۔

وہ دونوں آفس میں آن بیٹھے۔ ڈاکٹر معین نے کافی منگوائی اور ایک فائل نکال کر بیٹھ گئے۔ وہ دونوں پہلے مریض کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ عالیہ کے چہرے سے بھرپور اشتیاق کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ اس کیس میں پوری دلچسپی لے رہی تھی اور باتوں کے درمیان کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھی بھرتی جا رہی تھی۔

دفعتہ" وہ کچھ مضطرب سی ہوگئی۔ پھر اس کی نظر فائل سے ہٹ گئی۔ ڈاکٹر معین کی بات جاری تھی مگر عالیہ کا ذہن جیسے کہیں اور بھٹکنے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر اضطراب کا مدوجزر محسوس ہونے لگا۔ آنکھیں گویا بہت دور کا کوئی منظر دیکھنے لگیں جس تک کسی دوسری نگاہ کی رسائی نہیں تھی۔ اس کا سر کرسی کے پشتے سے جا لگا تھا۔

ڈاکٹر معین نے کئی لمحے بعد اس کی کیفیت کی تبدیلی کو محسوس کیا اور چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے........ تمہیں کچھ نظر آنے لگا ہے؟" ڈاکٹر معین نے فائل بند کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں"...... عالیہ کی خوابناک سی آواز گویا بہت دور سے آئی...... "وہ دیکھیں...... وہ شخص قتل کے ارادے سے اندر داخل ہو رہا ہے...... وہ غالباً کوئی چھوٹا سا بیوٹی پارلر ہے...... اف خدایا...... یہ منظر تو میں آج صبح ہی خواب میں دیکھ چکی ہوں...... مجھے یہ سب کچھ پہلے ہی نظر آگیا تھا...... اور اب پھر نظر آرہا ہے...... اب یہ سب کچھ حقیقتاً ہو رہا ہے...... یہ واقعہ اب رُونما ہو رہا ہے......"

○----------☆----------○

موسم کچھ زیادہ سرد بھی نہیں تھا مگر وہ اوور کوٹ پہنے جا رہا تھا کالر بھی اس نے یوں کھڑا کیا ہوا تھا جیسے گردن کو سردی سے بچانا چاہتا ہو۔ گو کہ ہوا سرد تھی مگر اتنی بھی نہیں کہ اوور کوٹ پہن لیا جاتا اور کالر کھڑا کر لیا جاتا۔ گلیوں میں ویرانی تھی ورنہ شاید آتے جاتے لوگ قدرے تعجب سے اس کی طرف دیکھتے مگر وہ اس کی شکل نہ دیکھ پاتے کیونکہ اس کے سر پر فلیٹ ہیٹ بھی تھا جس کا چھجا آگے کو جھکا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ تقریباً چھپ کر ہی رہ گیا تھا۔ کوئی دیکھتا تو شاید یہی سمجھتا کہ وہ کوئی سنکی یا خبطی ہے یا پھر اسے شوق لاحق ہے کہ وہ انگریزی فلموں کا کوئی کردار نظر آئے۔ شرلک ہومز جیسا کوئی سراغرساں...... جیمز بانڈ جیسا کوئی اسپائی ایجنٹ...... یا پھر نہایت پُراسرار قسم کا کوئی مجرم۔

وہ ایک فیشن ایبل علاقے کا قدرے دور افتادہ سا حصہ تھا۔ مکان بڑے اور خوبصورت تھے مگر درمیان میں کہیں کہیں پلاٹ خالی بھی پڑے تھے۔ کہیں کہیں مکانوں کی تعمیر ابھی جاری تھی۔ یہاں گلیوں میں سرِشام ہی سناٹا چھا جاتا تھا۔

اس نے اپنی کار ایک قریبی مارکیٹ کے سامنے چھوڑ دی تھی اور پیدل آگے روانہ ہوگیا تھا۔ کن انکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھتا وہ سست رفتاری سے چلا جا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ منزل اس کے ذہن میں تو ہے لیکن راستہ اسے صحیح طرح یاد نہیں، اور وہ جگہ

اسے تلاش کرنا پڑے گی۔

اس کے دونوں ہاتھ جیبوں میں تھے۔ ایک جیب میں کھٹکے دار چاقو موجود تھا اور دوسری جیب میں ریوالور...... اس کا ایک ہاتھ چاقو کے دستے پر تھا اور دوسرا ہاتھ ریوالور کے دستے پر...... گو کہ اس کے دونوں ہاتھوں پر دستانے تھے پھر بھی وہ جیسے دونوں ہتھیاروں کا لمس محسوس کر رہا تھا اور ان کی موجودگی اس کے لئے بے پناہ حوصلے کا باعث تھی۔ ویسے بھی وہ کوئی ڈرپوک آدمی نہیں تھا۔ انتہائی نڈر اور بے خوف تھا۔

دفعتہ" اس کی نظر سڑک کے کنارے لگے ہوئے ایک سائن بورڈ پر پڑی اور وہ ٹھٹھک کر رک گیا جیسے اسے اسی کی تلاش تھی۔ سائن بورڈ پر بڑے خوبصورت اور جلی حروف میں لکھا تھا...... "کوئنز بیوٹی پارلر" نیچے تیر کا نشان بھی بنا ہوا تھا جو ایک ویران سی کوٹھی کے پورشن کی طرف اشارہ کر رہا تھا جس کا گیٹ الگ تھا۔ گیٹ کھلا تھا اور ڈرائیووے میں صرف ایک گاڑی کھڑی نظر آ رہی تھی۔

وہ شخص تیزی سے مڑا اور گیٹ سے اندر داخل ہوگیا۔ ڈرائیووے سے گزر کر وہ برآمدے میں پہنچا۔ سامنے ہی شیشے کا گہرے رنگ کا ایک دروازہ تھا جس سے اندر کا منظر تو دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر اس کے عقب میں چھوٹی سی ایک تختی چمک رہی تھی جس پر ابھرے ہوئے حروف میں "اوپن" لکھا نظر آ رہا تھا۔

وہ اطمینان سے دروازے کو دھکیل کر اندر پہنچ گیا۔ اندر کی فضا میں خنکی کے بجائے ایک زندگی بخش سی حرارت تھی اور ایک ایسی خوشبو رچی ہوئی تھی جو کئی طرح کی خوشبوؤں کا آمیزہ معلوم ہوتی تھی۔

پہلا کمرہ ڈرائنگ روم کی طرز پر سجا ہوا تھا۔ یہ انتظار گاہ تھی۔ ایک طرف باقاعدہ استقبالیہ کاؤنٹر بھی بنا ہوا تھا جس پر خوبصورت ٹیلی فون وغیرہ رکھا ہوا تھا مگر کاؤنٹر کے عقب میں کوئی موجود نہیں تھا۔

وہ آگے بڑھا اور درمیان کے محرابی دروازے سے گزر کر دوسرے کمرے میں پہنچ گیا۔ دروازے پر موتیوں کی جھالریں لٹکی ہوئی تھیں جن کے ہلنے سے کمرے میں دھیمی اور مترنم گھنٹیاں بج اٹھیں۔ اس کمرے میں دیوار کے ساتھ خوبصورت کاؤنٹر' واش بیسن

اور لمبے چوڑے آئینے لگے ہوئے تھے۔ درمیان میں کہیں شیلف تھے۔ کہیں بڑی بڑی لائٹس نصب تھیں۔ کاؤنٹر پر آرائش و زیبائش کا ڈھیروں سامان سجا ہوا تھا۔ دو دیواریں بڑے خوبصورت رنگا رنگ پوسٹرز سے ڈھکی ہوئی تھیں۔

دیوار گیر آئینوں کے سامنے تین اونچی' گدیلی اور خوبصورت ریوالونگ چیئرز موجود تھیں مگر اس وقت ان میں سے صرف ایک پر ایک لڑکی نیم دراز تھی اور دوسری لڑکی اس کے قریب کھڑی اپنے فن مشاطگی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اپنے دستِ آرائش کا ہنر آزما رہی تھی۔ اس وقت بیوٹی پارلر میں ان دونوں کے سوا کوئی موجود نہیں تھا۔

کرسی پر نیم دراز لڑکی کے سجنے سنورنے کا عمل تقریبا" ختم ہو چکا تھا۔ وہ یقینا" ایک کم رو لڑکی تھی مگر دو مرمریں اور نازک ہاتھوں نے اس کی خامیوں پر بڑے خوبصورت اور رنگارنگ پردے ڈال دیئے تھے۔ اب اس کا شمار کم رُو یا بے کشش لڑکیوں میں نہیں رہا تھا۔ بیوٹیشن یا مشاطہ لڑکی یوں خاص زاویوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی جیسے کوئی مصور اپنی تازہ تخلیق کے عیوب و محاسن تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہو اور مطمئن ہونے کے بعد اپنے کمال فن سے خود ہی محظوظ ہو رہا ہو۔ مگر اس کی خدمات سے مستفید ہونے والی لڑکی کے چہرے پر سردمہری تھی۔ اس کے خواب شاید اب بھی پورے نہیں ہوئے تھے۔ وہ سپاٹ نظروں سے آئینے میں اپنا اور بیوٹیشن لڑکی کا جائزہ لے رہی تھی۔

شاید وہ اپنا اور مشاطہ کا موازنہ کر رہی تھی۔ اس لئے کہ مشاطہ خود قدرت کی مشاطگی کا شاہکار تھی۔ وہ آرائش و زیبائش کی دنیاوی چیزوں اور مصنوعی سہاروں کی محتاج نہیں تھی۔ اس نے لپ اسٹک تک نہیں لگا رکھی تھی کیونکہ اس کے بھرے بھرے سرخ رسیلے ہونٹ لپ اسٹک کے بغیر زیادہ بھلے لگ رہے تھے۔ اسے بلش آن کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اس کے رخساروں پر قدرتی سرخی موجود تھی اور اس کی آنکھیں بغیر کاجل کے بھی سجی سجی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اگر میک اپ کر لیتی تو اس کے حسن میں کمی آجاتی۔ اس کے فطری جلووں پر پردے سے پڑ جاتے۔

مترنم گھنٹیوں کی آواز سن کر دونوں ہی لڑکیوں نے بیک وقت چونک کر محرابی دروازے کی طرف دیکھا۔ اجنبی' دروازے پر جما کھڑا تھا۔ فلیٹ ہیٹ بدستور اس کے

چہرے پر جھکا ہوا تھا۔ دونوں لڑکیوں کی آنکھوں میں خوف جھلک آیا تاہم انہوں نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے خوف کا اظہار ہوتا۔

"جی........ فرمائیے........ کوئی کام ہے آپ کو؟" بیوٹیشن لڑکی نے پُر سکون لہجے میں پوچھا۔ اجنبی خاموش رہا۔

"آپ کو کس سے ملنا ہے؟" لڑکی کا لہجہ اب بھی پُرسکون تھا۔ اجنبی نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا۔

"دیکھئے........ بیوٹی پارلر اب بند ہونے والا ہے........ باقی لڑکیاں اور پروپرائٹر تو جا چکی ہیں۔ میں بھی اب تک جا چکی ہوتی لیکن ان خاتون کا کچھ کام باقی رہ گیا تھا اس لئے میں رک گئی تھی۔ آپ کو اگر پروپرائٹر سے یا کسی بیوٹیشن لڑکی سے ملنا ہے تو کل دس بجے کے بعد کسی وقت تشریف لے آیئے گا"۔ لڑکی کے لہجے میں اضطراب جھلک آیا تھا مگر وہ اب بھی پوری کوشش کر رہی تھی کہ اس کے چہرے سے خوف کا اظہار نہ ہونے پائے۔

اجنبی اب بھی کچھ نہ بولا اور اپنے نپے تلے قدموں سے آگے بڑھ آیا۔ دبیز قالین پر اس کے بھاری جوتوں سے کوئی آہٹ پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ میک اپ کرانے والی لڑکی کا اب بھی کچھ کام باقی تھا مگر وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور بیوٹیشن سے مخاطب ہوئی۔

"بس........ ٹھیک ہے........ میں اب چلتی ہوں........ یہ آپ پیسے رکھ لیجے........ رسید میں بعد میں لے لوں گی"۔ اس نے کاؤنٹر پر رکھا ہوا اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا اور چند نوٹ نکال کر گنے بغیر بیوٹیشن کے سامنے کاؤنٹر پر رکھ دیئے۔ اس کی انگلیوں میں خفیف سے لرزش تھی۔ بیوٹیشن نے نوٹوں کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ اس کی نظر اجنبی پر تھی اور اب وہ اپنا خوف چھپانے سے قاصر تھی۔ اس کی آنکھیں قدرے پھیل گئی تھیں۔ اجنبی دونوں لڑکیوں کے عین قریب آن کھڑا ہوا تھا اور ابھی تک اس کے منہ سے ایک لفظ نہیں نکلا تھا۔

دفعتہ" بیوٹیشن لڑکی کے ہونٹ وا ہوئے۔ شاید اس نے چیخنے کا ارادہ کیا تھا مگر اسی لمحے اجنبی کے دونوں ہاتھ اوور کوٹ کی جیبوں سے نکل آئے۔ ایک ہاتھ میں کھٹکے دار

چاقو تھا اور دوسرے میں ریوالور........ کلک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ کھٹکے دار چاقو کا پھل باہر آگیا۔ تیز روشنی میں اس کی چمک سے آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔ چاقو کا پھل اس نے کرسی پر بیٹھی ہوئی لڑکی کے گلے پر رکھ دیا اور اس کا سر دوبارہ کرسی کی پُشتے پر آٹکا۔ ریوالور کا رخ بیوٹیشن لڑکی کی طرف تھا۔

"تم دونوں میں سے اگر کسی نے بھی آواز نکالی تو اسی لمحے اس کا کام تمام ہو جائے گا"۔ پہلی بار اجنبی کے وجود سے آواز ابھری لیکن یہ آواز سانپ کی پھنکار سے مشابہ تھی۔ دونوں لڑکیوں کی رنگت خوف سے بدل کر رہ گئی۔ کرسی پر بیٹھی ہوئی لڑکی کے تازہ میک اپ کی تہیں بھی اس کے چہرے کی زردی چھپانے کے لئے ناکافی نظر آرہی تھیں۔

"دیکھو........" بیوٹیشن لڑکی نے تھوک نگل کر گویا بڑی ہمت کرتے ہوئے کہا۔

"اگر تمہیں کچھ رقم وغیرہ چاہئے تو اس وقت پارلر میں زیادہ رقم نہیں ہے........ کیش ہماری اونر اپنے ساتھ لے گئی ہیں........"

میک اپ کرانے والی لڑکی گویا حوصلہ پا کر بولی۔

"میرے بیگ میں کچھ رقم ہے........ اور یہ سونے کی چوڑیاں بھی........" اس نے اپنی سڈول کلائیوں کو حرکت دینے کی کوشش کی لیکن اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ اسے شاید ایک لمحے کے لئے تو احساس بھی نہیں ہوا کہ کس طرح یکدم تیز دھار چاقو اس کے گلے پر پھر گیا۔ دھار یقیناً" حد سے زیادہ تیز تھی۔ لڑکی کی گردن آدھی سے زیادہ کٹ گئی اور خرخراہٹ کی ہلکی سی آوازوں کے ساتھ خون کی دھاریں ابل پڑیں۔

بیوٹیشن لڑکی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ دہشت سے اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ غیرارادی طور پر اس نے چیخنا چاہا لیکن اس کے حلق سے کوئی آواز برآمد نہ ہوئی۔ اس دوران وہ لڑکی بُری طرح تڑپی جس کی گردن کٹ چکی تھی۔ پھر نزع کے عالم میں اس کے جسم کو جھٹکے لگے اور بالآخر وہ ریوالونگ چیئر سے پھسل کر قالین پر گر پڑی اور وہیں ساکت ہوگئی۔ اس کا چہرہ جسے بیوٹیشن لڑکی کے مشاق ہاتھوں نے نہ جانے کتنی دیر کی محنت کے بعد سجایا' سنوارا اور نکھارا تھا' چند لمحوں کے اندر اندر مسخ ہو کر رہ گیا تھا۔ موت کی بدصورتی نے اس کے چہرے پر پنجے گاڑ دیئے تھے۔ اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی

تھیں اور جسم کا بالائی حصہ خون میں لتھڑ گیا تھا۔

قاتل نے کرسی پر لٹکے ہوئے ایک نہایت نفیس اور دبیز تولیئے پر اپنا خون آلود چاقو صاف کیا اور اس کی نوک اب بیوٹیشن لڑکی کے حلقوم پر رکھ دی۔ ریوالور اس نے جیب میں ڈال لیا تھا۔ لڑکی کے حلقوم پر چاقو کا دباؤ بڑھنے لگا اور وہ غیرارادی طور پر دھیرے دھیرے پیچھے کھسکنے لگی۔ درحقیقت قاتل ہی اسے ایک خاص سمت میں دھکیل رہا تھا۔ کھسکتے کھسکتے وہ مساج ٹیبل سے جا لگی۔ قاتل نے اس کی گردن پر چاقو کی نوک کا دباؤ بڑھایا اور دوسرا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھتے ہوئے اسے مساج ٹیبل پر لٹا دیا۔ لڑکی خوف سے بالکل بے دم ہوچکی تھی۔ مزاحمت کے لئے اس میں گویا توانائی کی ذرا سی بھی رمق نہیں رہی تھی۔ اس کا چہرہ کورے لٹھے کی طرح سفید تھا اور آنکھوں میں دہشت کی پرچھائیوں کا اتار چڑھاؤ یوں جاری تھا جیسے کسی بھی لمحے وہ بے ہوش ہو جائے گی۔

قاتل کی خون آشام آنکھوں میں لذت ہی لذت ہلکورے لے رہی تھی۔ شاید یہ اس کی فطرت تھی۔ لڑکی اس کے سامنے جتنی زیادہ دہشت زدہ ہوتی تھی اسے اتنی ہی زیادہ لذت کا احساس ہوتا تھا۔ اس کے چاقو کی نوک لڑکی کی گردن پر ہی رہی اور دوسرا ہاتھ اس کے لباس پر پہنچ گیا........

کافی دیر بعد وہ پیچھے ہٹا۔ لڑکی کی پھٹی پھٹی آنکھیں ایک ٹک چھت کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ اس کا لباس تار تار ہوچکا تھا۔ وہ محض ایک لاش نظر آرہی تھی۔ ایک زندہ لاش........ اس لئے کہ سانسوں کی غیرمحسوس سی آمدورفت جاری تھی۔

قاتل اسے یوں پڑی دیکھ کر طمانیت اور آسودگی سے مسکرایا پھر اچانک اس کا ہاتھ بلند ہوا اور بجلی کی سی تیزی سے خنجر لڑکی کے عین دل کے مقام پر پیوست ہوگیا۔ مساج ٹیبل پر وہ ذرا سا اُچھلی پھر دست قاتل کے دباؤ تلے ساکت ہو کر رہ گئی۔ اس کے حلق سے صرف ایک گھٹی گھٹی چیخ نکلی تھی اور وہ بھی چیخ کے بجائے ایک کرب ناک آہ سے مشابہ محسوس ہوئی تھی۔ یہ اس کی پہلی اور آخری چیخ تھی جو قاتل کی آمد کے بعد سے اب تک بلند ہوسکی تھی۔

قاتل نے خنجر اس کے سینے سے واپس کھینچا پھر جنون کے سے عالم میں اس کے

تقریباً بے جان جسم پر مزید وار کرنے لگا۔ وہ مشینی انداز میں یوں پے در پے وار کر رہا تھا جیسے جسم کے ہر حصے کو چھید ڈالنا چاہتا ہوں۔

پھر اس نے بیوٹیشن لڑکی کی لاش کو مساج ٹیبل پر چھوڑ کر اس لڑکی کی طرف دیکھا جسے وہ پہلے ہی ذبح کرچکا تھا۔ انداز کچھ ایسا ہی تھا جیسے اسے اپنا ادھورا چھوڑا ہوا کوئی کام یاد آگیا۔ وہ اس لڑکی کی لاش کے قریب پہنچا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس پر اسی طرح جنون کے سے عالم میں چاقو سے وار کرنے لگا۔

لاش کو مزید بے حال کرنے کے بعد گویا اس کی تسکین کا عمل مکمل ہوگیا۔ سیدھے کھڑے ہو کر اس نے تولیے سے چاقو اچھی طرح پونچھ کر بند کرکے واپس جیب میں ڈال لیا۔ اس کے دستانوں پر بھی خون لگ گیا تھا۔ اس نے دستانوں کو بھی تولیے سے رگڑا مگر انہیں اتارا نہیں........ مطمئن ہو کر اس نے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ پھر اس کے حلق سے کچھ ایسی عجیب اور ناقابل فہم سی آواز نکلی جیسے کسی درندے کو پیٹ بھر کر خوراک مل گئی ہو اور اب وہ دوبارہ کھلی فضاؤں میں زقندیں بھرنے کی تیاری کر رہا ہو۔

O---------☆---------O

ڈاکٹر معین نے عالیہ کے کندھے مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے۔ اس کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ اس کے پورے جسم میں ارتعاش سا تھا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہوا میں ایک ٹک دیکھے جارہی تھی۔

"عالیہ........! تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ یہ واقعہ کہاں رُونما ہو رہا ہے؟" ڈاکٹر معین نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں........" عالیہ کی سرگوشی نما آواز ابھری........ "بس اتنا معلوم ہے کہ وہ کوئی بیوٹی پارلر ہے........ اور اب تو کوئی فائدہ بھی نہیں........ دونوں لڑکیاں قتل ہوچکی ہیں........ جو لڑکی زیادہ خوبصورت تھی اسے قتل کرنے سے پہلے اس نے........" عالیہ نے جملہ ادھورا چھوڑ کر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپالیا اور سسکیاں لینے لگی۔

ڈاکٹر معین نے اسے رونے دیا۔ چند لمحے بعد اس کی سسکیاں تھم گئیں اور اس نے خود ہی آنکھوں سے ہاتھ ہٹا لئے۔ بھیگی بھیگی آنکھوں سے ہوا میں گھورتے ہوئے وہ

بولی...... "منظر میری آنکھوں سے ہٹ نہیں رہا...... اس بار نئی بات یہ تھی کہ چاقو کی تکلیف میں نے اپنے جسم میں محسوس کی...... جب اس خوبصورت لڑکی کے جسم میں بار بار چاقو اتارا گیا تو مجھے یہی محسوس ہوا جیسے یہ وار مجھ پر کئے جا رہے ہیں۔ اسی لئے میں اذیت سے تڑپنے لگی تھی......"

"ہاں...... میں تو تمہاری حالت دیکھ کر گھبرا ہی گیا تھا۔ ایمبولینس کے لئے فون کرنے لگا تھا...... لیکن اطمینان کی بات یہ تھی کہ اس دوران تم بول رہی تھیں جو کچھ تمہیں نظر آ رہا تھا' بتائے جا رہی تھیں......" ڈاکٹر معین بولے۔

"مجھے لگ رہا تھا کہ میں بے ہوش ہو جاؤں گی اور میں بے ہوشی سے بچنے کے لئے بولے جا رہی تھی۔ میں منظر کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہتی تھی کہ شاید کوئی سراغ مل جائے...... اور شاید ہم اسے روکنے کے لئے کچھ کر سکیں...... اوہ...... قاتل اب دوبارہ اس لڑکی کی طرف بڑھ رہا ہے جسے وہ پہلے ہی قتل کر چکا ہے...... اف......" عالیہ کے لہجے میں ایک بار پھر اذیت جھلک آئی۔ اس کے چہرے پر نفرت اور کراہیت کے آثار نمودار ہو گئے۔

ایک لمحے کے بعد اس کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی...... "لڑکی کو قتل کرنے کے بعد بھی اس مردود کو چین نہیں آیا ہے...... وہ اس کی لاش پر بھی پے در پے چاقو سے وار کر رہا ہے"۔

"کیا تم اس کا چہرہ دیکھ رہی ہو؟ کس قسم کے تاثرات ہیں اس کے چہرے پر؟" ڈاکٹر معین نے پوچھا۔

"عجیب بات یہ ہے کہ ابھی تک مجھے اس کے چہرے کی جھلک بھی نظر نہیں آئی ہے۔ میں مسلسل اسے پیچھے ہی سے دیکھ رہی ہوں...... اب وہ اٹھ کھڑا ہوا ہے...... اس کمرے میں لائٹس آن نظر آ رہی ہیں مگر ان سے جیسے روشنی ہی نہیں پھوٹ رہی...... وہ چراغوں کی طرح ٹمٹما رہی ہیں...... کمرے میں ملگجی روشنی نظر آ رہی ہے...... بالکل ناکافی سی...... در و دیوار جیسے پرچھائیاں سی رینگ رہی ہیں...... وہ ایک عجیب آسیب زدہ بیوٹی پارلر معلوم ہوتا ہے......"

"تم اپنی ذہنی طاقت استعمال کرو۔ خیالات کی لہروں میں زیادہ یکسوئی پیدا کرو۔ کوشش کرو کہ وہ شخص مڑ کر تمہاری طرف دیکھے تاکہ تم اس کا چہرہ دیکھ سکو......" ڈاکٹر معین نے ہدایت کی۔

عالیہ ہوا میں گویا کسی ایک نقطے کو گھورنے لگی۔ چند لمحے کے لئے وہ بالکل خاموش ہو گئی پھر اس کے چہرے سے بے پناہ خوف جھلکنے لگا...... "اوہ...... وہ مڑ کر میری طرف دیکھ رہا ہے...... اس کے اوور کوٹ کا کالر اٹھا ہوا ہے اور ہیٹ کا چھجا پیشانی پر جھکا ہوا ہے...... ملگجے اندھیرے میں مجھے اس کا چہرہ نظر نہیں آ رہا...... صرف آنکھیں دکھائی دے رہی ہیں جو اندھیرے میں انگاروں کی طرح دہک رہی ہیں...... اسے معلوم ہے کہ میں اسے دیکھنے کی کوشش کر رہی ہوں...... وہ بھی غیر معمولی ذہنی طاقت کا مالک معلوم ہوتا ہے...... اس کی آنکھوں میں غیظ و غضب ہے...... جنون ہے...... میرے لئے دھمکی ہے...... یہ آنکھیں اس وقت اپنی نارمل حالت میں نہیں ہیں......"

دفعتہ ایک چھناکا سا ہوا پھر پے در پے تین چار آوازیں ابھریں جیسے شیشے کی چیزیں گر کر ٹوٹی ہوں۔ ڈاکٹر معین اور عالیہ نے بیک وقت دیوار کی طرف دیکھا۔ دیوار گیر شیلفوں میں سجے ہوئے شیشے کے نفیس فرانسیسی کھلونوں میں سے تین چار کھلونے نہ جانے کس طرح خود بخود لڑھک کر گیس کے ہیٹر پر گرے تھے اور چکنا چور ہو گئے تھے۔

اس کے ساتھ ہی وہ منظر عالیہ کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ جو وہ اب تک دیکھ رہی تھی۔ نامعلوم قاتل کا وہ ہیولا' اس کی وہ انگارہ سی آنکھیں گویا فضا میں تحلیل ہو گئیں۔ عالیہ کی نظروں کے سامنے صرف سفید دھوئیں کی ایک دیوار سی رہ گئی۔

"یہ...... یہ اس درندے کی ذہنی طاقت کا کمال ہے......" عالیہ کھلونوں کی کرچیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تقریباً چلا اٹھی...... "وہ نہیں چاہتا تھا کہ میں اس کی صورت دیکھنے کی کوشش جاری رکھوں...... اس کے ذہن سے خارج ہونے والے خیالات کی لہروں نے یہاں ارتعاش پیدا کر دیا اور کھلونے گر گئے...... منظر میری نظر سے اوجھل ہو گیا...... وہ یہی چاہتا تھا...... یہ قاتل اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے جو پولیس کے ہاتھوں مر چکا ہے...... لیکن یہ اچانک ہی کہاں سے نمودار ہو گیا ہے؟ ایک قاتل کے

مرتے ہی یہ دوسرا کہاں سے پیدا ہوگیا........؟ کیا ان دونوں کے درمیان کوئی تعلق تھا؟ کوئی رشتہ تھا........" وہ وحشت زدہ انداز میں بولے جا رہی تھی۔ اپنے آپ سے سوال کئے جا رہی تھی۔

"میرے پاس تو تمہارے سوالوں کا کوئی جواب نہیں"۔ ڈاکٹر معین بے بسی سے بولے۔

"فی الحال تو کسی کے پاس بھی میرے سوالوں کا کوئی جواب نہیں........" عالیہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی........ "میرے سوالوں کے جواب شاید صرف وقت کے پاس ہیں........ آنے والے وقت کے پاس........ مجھے آنے والے وقت کا انتظار کرنا ہوگا........"

ڈاکٹر معین اسے کچھ پُرسکون دیکھ کر اپنی کرسی پر جا بیٹھے۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد عالیہ بولی........ "مجھے یقین ہے کہ اسی شخص نے کہیں اور بھی تین لڑکیوں کو قتل کیا ہے جو کسی مکان میں اکٹھی رہتی تھیں........ کسی مرد کے بغیر........ انہیں بھی اس نے بہت لرزہ خیز انداز میں قتل کیا تھا۔ مجھے یقین ہے کل یا پرسوں کے اخبارات میں اس واردات کی خبر آئے گی........ مجھے اس کے بارے میں سوچ کر بھی خوف آ رہا تھا اس لئے میں نے کسی تھانے سے اس کے بارے میں معلومات کرنے کی کوشش نہیں کی"۔

"بڑی افسوسناک صورتِ حال ہے یہ........!" ڈاکٹر معین گہری سانس لے کر کرسی کے پشتے سے ٹیک لگاتے ہوئے بولے........ "میری اتنی عمر ہوگئی ہے اور ایک طویل مدت سے میرا نفسیات کے گورکھ دھندوں سے ہی واسطہ ہے۔ برسوں سے ہر طرح کے لوگ آ رہے ہیں میرے پاس........ عجیب و غریب رجحانات رکھنے والے........ اور ناقابل بیان ذہنیت کے مالک........ لیکن میں نے جو کچھ تمہارے منہ سے سنا ہے........ اور اس شخص کی جو تصویر میرے ذہن میں بنی ہے اس نے مجھے حیران کر دیا ہے۔ مجھے یقین نہیں آ رہا کہ کسی شخص میں خون کی اتنی پیاس‘ اتنی ہوس اور اتنی درندگی بھی ہو سکتی ہے........"

"یہ دنیا انتہائی عجیب و غریب کرداروں سے بھری پڑی ہے اور یہاں کسی وقت بھی کوئی انہونی ہو سکتی ہے........" عالیہ تھکے سے لہجے میں بولی پھر وہ یکدم ہی اٹھ کھڑی ہوئی........ "میں اب چلتی ہوں........"

"ارے........ ایسی جلدی بھی کیا ہے؟ ابھی تمہاری حالت بہتر نہیں ہے۔ چند لمحے پہلے تک تم اتنی زیادہ اعصابی توڑ پھوڑ کا شکار رہی ہو۔ اس حالت میں تم ڈرائیونگ کر لو گی؟" ڈاکٹر معین نے تشویش سے پوچھا۔

"میری حالت بالکل ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب!" عالیہ پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی........ "آپ کو شاید اندازہ نہیں ہے کہ مجھ غریب کے اعصاب کتنا بوجھ برداشت کرنے کے عادی ہیں........"

"اگر تم کہو تو میں اپنے ڈرائیور کو تمہارے ساتھ بھیج دوں؟ وہ تمہاری گاڑی ڈرائیو کر کے تمہیں گھر چھوڑ آئے گا........" ڈاکٹر معین بولے۔

"آپ قطعاً تشویش زدہ نہ ہوں ڈاکٹر صاحب!" عالیہ پُراعتماد لہجے میں بولی........ "میں اس سے زیادہ بُرے حالات میں بھی ڈرائیونگ کر چکی ہوں اور ابھی تک صحیح سلامت ہوں........" وہ اپنا بیگ اٹھا کر ڈاکٹر معین کے نفسیاتی ہسپتال سے نکل آئی۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ اپنے آپ کو بے حد کمزور اور منتشر سی محسوس کر رہی تھی‘ لیکن بہرحال ڈرائیونگ میں اس سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی اور دوسروں کی غلطیوں سے بچنے کے لئے بھی اس کا ذہن حاضر رہا اور وہ خیریت سے گھر پہنچ گئی۔

منیر ابھی تک گھر نہیں آیا تھا۔ ملازمہ نے بتایا کہ اس کا فون آیا تھا۔ اس نے اطلاع دی تھی کہ وہ رات کو دیر سے گھر آئے گا۔ عالیہ نے کبھی منیر کے معمولات میں دخل نہیں دیا تھا اگر وہ کبھی رات کو دیر سے گھر آتا تھا تو وہ یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتی تھی کہ وہ کہاں تھا۔ باتوں باتوں میں ٹوہ بھی نہیں لگاتی تھی۔ منیر اگر خود مناسب سمجھتا تھا تو بتا دیتا تھا۔ عالیہ اس چیز کے حق میں نہیں تھی کہ بیوی‘ شوہر کی آزادی پر کسی بھی طرح اثرانداز ہونے کی کوشش کرے........ اور منیر تو اس کے خیال میں ایسا مرد ہی نہیں تھا جس کی آزادی پر کوئی اثر انداز ہو سکتا۔ اسے تو بس محبت........ اور بیکراں محبت کے ہتھیار سے تھوڑا بہت سرنگوں رکھا جا سکتا تھا۔

وہ اپنے آپ کو بہت مضطرب اور بے چین محسوس کر رہی تھی۔ اپنے اعصاب کو سکون دینے کے لئے اس نے ایک خواب آور گولی کھانے کا فیصلہ کیا لیکن جب اس نے

گولیوں کی شیشی کھولی تو بے اختیار اس کا جی چاہنے لگا کہ پانچ سات گولیاں ایک ساتھ نگل لے۔ اس نے بمشکل اپنے آپ کو اس حرکت سے باز رکھا۔ ڈاکٹر کی ہدایت تھی کہ اعصابی سکون کے لئے وہ کبھی کبھار صرف ایک گولی کھا لیا کرے........ اس سے زیادہ نہیں۔

منیر کے بغیر وہ اپنے گھر میں بھی اپنے آپ کو بے حد تنہا اور غیر محفوظ محسوس کرتی رہتی تھی۔ مضبوط درودیوار کے درمیان مقید ہو کر بھی اندر ہی اندر اس کا دل کانپتا سا رہتا تھا اور منیر کی موجودگی میں خواہ گھر کے سارے دروازے بھی کھلے رہتے تب بھی وہ مطمئن اور بے فکر سی رہتی تھی۔

انتظار کی گھڑیاں گزارنے کے لئے وہ اسٹڈی میں جا کر بیٹھ گئی لڑکپن سے اس کی عادت تھی کہ جب وہ کسی مسئلے پر زیادہ پریشان ہوتی تھی اور اس کا ذہن الجھ جاتا تھا تو وہ کاغذ، قلم لے کر بیٹھ جاتی تھی۔ وہ اس مسئلے کو کئی حصوں میں تقسیم کر لیتی تھی اور پھر اسے سوالات کی شکل دے کر ترتیب وار لکھ لیتی تھی پھر دوسرے کاغذ پر نہایت ٹھنڈے دل سے وہ ان سوالوں کے جواب لکھنے کی کوشش کرتی تھی۔ اس طرح ایک مسئلہ جب ٹکڑے ٹکڑے ہو کر الفاظ کی صورت میں اس کے سامنے کاغذوں پر بکھر جاتا تو پھر وہ اسے سنگین اور پریشان کن دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس کے دل کو قرار سا آ جاتا۔

آج بھی اس نے یہی طریقہ آزمانے کا فیصلہ کیا۔ میز پر بیٹھ کر اس نے قلم اور رائٹنگ پیڈ سنبھالا اور تریب وار سوالات لکھنے شروع کئے۔

"مجھے قتل اور خون ریزی کے یہ مناظر کیوں نظر آنے لگتے ہیں جبکہ میں ان کے لئے کوشش بھی نہیں کرتی؟"

"اب اچانک ہی میں نے یہ مناظر دیکھنے کے دوران وہ تکلیف بھی کیوں محسوس کرنا شروع کر دی ہے جو ان لڑکیوں کو محسوس ہوتی ہو گی جن پر چاقو سے وار کئے جاتے ہیں؟"

"کیا یہ اتفاقات آج تک کسی اور شخصیت کے ساتھ بھی پیش آئے ہیں۔ کیا ایسی طاقت کسی اور انسان کو بھی ودیعت ہوئی ہے؟"

"بیوٹی پارلر میں موجود قاتل کو کیونکر احساس ہوا کہ میں اپنے ذہن کی آنکھ سے

اسے دیکھ رہی ہوں؟"

"کیا قاتل بھی واقعی اتنی زیادہ ذہنی قوت کا مالک تھا کہ اس نے مجھے اپنا چہرہ دیکھنے سے باز رکھا؟"

"پولیس کا خیال تھا کہ شہر میں صرف ایک ہی جنونی قاتل موجود ہے جو تنہا عورتوں کو وحشیانہ انداز میں قتل کرتا ہے........ اور وہ میری مدد سے پولیس کے ہاتھوں مارا گیا تھا........ لیکن اس کی موت کے فوراً بعد ہی یہ دوسرا قاتل کہاں سے نمودار ہو گیا؟"

"اگر یہ قاتل بھی مارا گیا تو کیا اس کے فوراً بعد تیسرا قاتل نمودار ہو جائے گا؟ اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا؟"

"یہ سارے چکر آخر کس لئے ہیں؟ یہ سب کیا گورکھ دھندا ہے؟ اس کے پیچھے قدرت کا کیا مقصد کار فرما ہے؟ اور اس کا انجام بالآخر کیا ہو گا؟"

عالیہ کے خیال میں سوالات مکمل ہو گئے تھے۔ یہی اس کے ذہنی خلجان کا باعث تھے اور اس کے مسائل کا احاطہ کرتے تھے۔ اس نے رائٹنگ پیڈ کا وہ کاغذ علیحدہ کر کے سامنے رکھ لیا جس پر سوالات لکھے تھے۔

اب اس نے ترتیب وار ہر سوال کا جواب لکھنے کے لئے اپنے ذہن کو یکسو کرنا چاہا مگر ذہن پہلے سوال پر ہی اٹک کر رہ گیا۔ صحیح معنوں میں اس کے پاس اس سوال کا ہی کوئی جواب نہیں تھا........ پھر اسے احساس ہوا کہ درحقیقت اس کے پاس کسی بھی سوال کا کوئی جواب نہیں۔ بہت دیر تک وہ اپنے سامنے پھیلے ہوئے سادہ کاغذ کو گھورتی رہی بالآخر اس نے جھنجلاہٹ کے عالم میں رائٹنگ پیڈ اٹھا کر ایک طرف پھینک دیا۔

اس کا اضطراب اور منتشر خیالی شاید کچھ اور بڑھ چکی تھی مگر مسکن دوا کی گولی نے اس کے ذہن اور اعصاب پر اثر کرنا شروع کر دیا تھا۔ ایک نہایت ہلکے سے خمار نے اس کی بے چینی کو دبا دیا تھا اور اسے مصنوعی طور پر پُرسکون کر دیا تھا۔ کئی منٹ تک وہ ریوالونگ چیئر پر نیم دراز رہی دفعتہ" ٹیلیفون کی گھنٹی بج اٹھی۔

عالیہ نے سر کو خفیف سا جھٹکا دیا اور سیدھی ہوتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے ایک باوقار مردانہ آواز سنائی دی........ "میں انسپکٹر نثار ملک بول رہا

ہوں۔ مجھے بیگم عالیہ منیر سے بات کرنا تھی......"

"میں عالیہ ہی بول رہی ہوں انسپکٹر صاحب!" اس نے دھیمے لہجے میں کہا.......

رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد نثار ملک بولا........ "آپ کو ایک افسوسناک اطلاع دینی تھی۔ ہم تو یہ سمجھ کر بہت مطمئن اور خوش تھے کہ جنونی قاتل سے نجات مل گئی ہے لیکن آج میں نے ایک کام سے کلفٹن تھانے کے ایس ایچ او کو فون کیا تو پتا چلا کہ اس کے علاقے میں بالکل اسی جانے پہچانے انداز میں واردات ہوئی ہے........ تین فیشن ایبل' خوبصورت اور ملازمت پیشہ لڑکیاں ایک پرانی کوٹھی کا پورشن کرائے پر لے کر رہتی تھیں........ انہیں اسی مجنونانہ انداز میں قتل کر دیا گیا ہے........"

عالیہ کو اپنا گلا بے حد خشک محسوس ہونے لگا۔ اس نے نثار ملک کو بتانا چاہا کہ وہ یہ منظر پیشگی ہی دیکھ چکی تھی........ مگر وہ بتا نہ سکی۔ اب کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ جس وقت اس نے یہ منظر دیکھا تھا اس وقت بھی اگر اسے کوئی قابل ذکر سراغ ملا ہوتا تو وہ ضرور پولیس سے رابطہ قائم کرتی........ وہ نثار ملک کو یہ بھی نہ بتا سکی کہ پولیس کو یقیناً جلد ہی کسی علاقے میں ایک اور ایسی ہی واردات کی اطلاع ملے گی۔ کسی بیوٹی پارلر میں دو لڑکیاں ایسے ہی المناک انجام سے دوچار ہوئی ہوں گی........ یہ بتانے کا بھی اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ محض اظہار افسوس کر کے رہ گئی۔

نثار ملک بولا........ "درحقیقت میں نے اس وقت آپ کو ایک اور ہی سلسلے میں فون کیا تھا........ وہ درندہ صفت شخص جسے تین روز قبل ہم نے آپ کی مدد سے پکڑنے کی کوشش کی تھی مگر جو ہمارے ہاتھوں ہلاک ہو گیا تھا........ آپ کو یاد ہی ہو گا کہ وہ آپ کی گاڑی کے بالکل قریب آ کر گرا تھا........ بلکہ اس کے خون آلود ہاتھ کا نشان بھی آپ کی گاڑی کے شیشے پر پڑ گیا تھا جسے بارش نے دھو ڈالا تھا۔

"آپ تو یوں یاد دلا رہے ہیں جیسے یہ بہت پرانی بات ہو........" عالیہ بولی۔ "بھلا اس ہولناک رات کو میں اتنی جلدی کیسے بھول سکتی ہوں۔ اس رات کے ہر منظر کا ہر نقش میرے ذہن میں تازہ ہے۔ اے ایس آئی رب نواز کا کیا حال ہے جس کے پیٹ میں اس جنونی نے چاقو گھونپ دیا تھا؟"

"اب نواز کی حالت اب خطرے سے باہر ہے۔ امید ہے وہ پندرہ بیس روز میں بستر سے اٹھ کھڑا ہو گا........" انسپکٹر نے بتایا۔

"خدا کا شکر ہے........ ہاں تو آپ کیا کہہ رہے تھے؟" عالیہ نے اصل موضوع کی طرف توجہ دلائی۔

"وہ جنونی جب آپ کی گاڑی کے پاس ڈھیر ہوا تو اس کے ہاتھ سے چاقو بھی یقیناً" وہیں کہیں گرا ہو گا"۔ نثار ملک بولا........ "اس وقت بھگدڑ اور افراتفری میں ہمیں اس کا خیال ہی نہیں رہا تاہم صبح کے قریب جب ہم جائے وقوعہ سے رخصت ہونے لگے تو ہمیں اس کا خیال آیا تھا۔ ہم نے اس کوٹھی کا اور عقبی گلی کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن ہمیں کہیں اس کا نشان تک نہیں ملا۔ ہم کام تو خیر اس کے بغیر بھی چلا لیں گے........ لیکن وہ بہرحال ایک اہم شہادت تھی........ آلۂ قتل........ ہمیں اس کو عدالت میں جمع کرانا ہے........ اگر وہ مل جاتا تو اچھا تھا........ میں نے سوچا آپ سے معلوم کر لوں کہ شاید بے خیالی میں عامر صاحب یا منیر صاحب نے اسے اٹھا لیا ہو........" آخری الفاظ نثار ملک نے خاص ہچکچاہٹ کے عالم میں ادا کیے تھے۔

"انسپکٹر صاحب!" عالیہ کے لہجے میں ہلکی سی سختی اور سرد مہری جھلک آئی۔ "نہ تو میرے میاں ہی اتنے بے وقوف ہیں اور نہ ہی میرے بھائی........ کہ جائے واردات سے آلۂ قتل اٹھا کر بے خیالی میں گھر لے آئیں۔ ہمیں اس قسم کی یادگاریں جمع کرنے کا شوق نہیں ہے........"

"ارے........ ارے........ آپ تو بُرا منا گئیں........" نثار ملک جلدی سے انتہائی معذرت خواہانہ لہجے میں بولا........ "مجھے پہلے ہی اس کا اندیشہ تھا۔ دراصل میں شاید اپنا مطلب صحیح طور پر واضح نہیں کر سکا........ میرا مقصد صرف اس سلسلے میں معلومات کرنا تھا........ کہ شاید عامر صاحب یا منیر صاحب کو چاقو کے بارے میں کوئی بات یاد ہو........ جس سے ہمیں اس کو تلاش کرنے میں مدد مل سکے۔ ویسے تو وہاں بعد میں بہت سے تماشائی بھی جمع ہو گئے تھے۔ عین ممکن ہے کہ ان میں سے کسی نے اٹھا لیا ہو۔ آپ کوئی غلط خیال دل میں نہ لائیں عالیہ صاحبہ! آپ نے تو ہمارے ساتھ جو تعاون کیا ہے اس کا

صلہ ہم کبھی دے ہی نہیں سکتے......" نثار ملک نے معذرت اور تشکر کے اظہار کے لئے اور بھی بہت کچھ کہا لیکن عالیہ کا دھیان اب اس کی باتوں میں نہیں تھا۔ بالآخر اس نے نثار ملک کو یقین دلایا کہ وہ خفا نہیں پھر نرم لہجے میں اسے خدا حافظ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

ایک بار پھر وہ ریوالونگ چیئر پر نیم دراز ہوگئی۔ اس کی نظریں سامنے کی دیوار پر تھیں وہ گویا پلک جھپکنا بھول گئی تھی۔ اس کی پیشانی میں ایک رگ پھڑک رہی تھی اور ذہن میں یہی سوال گونج رہے تھے۔

آخر چاقو کہاں چلا گیا تھا؟

کون اسے لے جا سکتا تھا؟

ایسی چیز سے کسے دلچسپی ہو سکتی تھی؟

لے جانے والے کی نظر میں اس کا کیا مصرف تھا؟

اس کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ سوالات بہت اہم تھے اور ان کے جوابات تلاش کرنا بہت ضروری تھا......

پریشانی کی بات یہ تھی کہ عالیہ کے پاس سردست ان سوالوں میں سے کسی کا بھی کوئی جواب نہیں تھا۔ اس کی کنپٹیاں درد کرنے لگیں تو اس نے ان سوالوں کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی اور منیر کے بارے میں سوچنے لگی۔ بہت دیر سے خاصی تیز بارش ہو رہی تھی اور وہ قدرے حیرت سے سوچ رہی تھی کہ منیر ایسے موسم میں نہ جانے کہاں ہوگا!

پھر اسے یونہی گمان سا گزرا کہ عین ممکن ہے منیر شہر کے جس حصے میں ہو وہاں بارش نہ ہو رہی ہو۔ شہر بھی تو جنگل کی طرح بے حساب پھیلا ہوا تھا...... اور یہ تجربہ دو ایک مرتبہ خود عالیہ کو ہو چکا تھا کہ شہر کے ایک حصے میں اس نے بارش ہوتے دیکھی اور چند منٹ بعد وہ دوسرے حصے میں پہنچی تو وہاں مکمل خشکی تھی۔

وہ دیر تک اپنے بے سروپا خیالات میں الجھی رہی۔ دفعتہً ملازمہ نے آکر اسے بیکراں سوچوں کے سمندر سے نکالا۔ ملازمہ نے اطلاع دی کہ "صاحب" آگئے ہیں اور بیڈروم میں چلے گئے ہیں۔ وہ اٹھی اور بیڈروم کی طرف چل دی۔ اسے اپنی محویت پر حیرت تھی۔ اسے ذرا بھی احساس نہیں ہو سکا تھا کہ کب گیٹ کھلا' کب گاڑی اندر آئی' کب اندرونی دروازہ کھلا اور بند ہوا...... ویسے یہ کوئی نئی بات بھی نہیں تھی۔ اکثر و بیشتر ہی وہ اپنے خیالات میں اسی طرح کھو جاتی تھی۔

وہ بیڈروم میں پہنچی تو منیر جوتے اتار رہا تھا۔ عالیہ کی طرف دیکھ کر وہ قدرے بے دھیانی کے سے عالم میں مسکرایا۔ اس کی قمیض کچھ گیلی سی نظر آ رہی تھی۔

"آپ تو اوور کوٹ لے کر گئے تھے۔ اس کے باوجود بھیگ کر آ رہے ہیں......" عالیہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ بارش ہو جائے گی تو اوورکوٹ کے بجائے رین کوٹ لے کر جاتا۔ موقع کی مناسبت سے صحیح چیز لے کر نہ جانے کا یہی انجام ہوتا ہے......" منیر گہری سانس لے کر بولا۔

"میں تو سمجھ رہی تھی کہ آپ کو باہر اتنی دیر ہو چکی ہے۔ خوب شاپنگ کر رہے ہوں گے اور لدے پھندے گھر آئیں گے...... مگر آپ تو خالی ہاتھ نظر آ رہے ہیں"۔ عالیہ نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

"میں نے شاپنگ کا پروگرام ملتوی کر دیا تھا۔ تم ساتھ نہیں تھیں۔ شاپنگ بھلا کیا خاک ہوتی؟ میں تو چند پرانے دوستوں کی طرف چلا گیا......" وہ ایک تولئے سے بال خشک کرتے ہوئے بولا۔

"اور آپ کا وہ اوور کوٹ بھی نظر نہیں آ رہا۔ کیا گاڑی میں چھوڑ آئے؟ میں اسے دوبارہ وارڈروب میں لٹکا دیتی......" عالیہ ایک بار پھر متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولی۔

منیر کے چہرے پر قدرے تناؤ کے آثار ابھر آئے جیسے اسے اس وقت عالیہ کی توجہ' التفات اور گھریلو بیویوں والی مخصوص باریک بینی اچھی نہ لگ رہی ہو۔ وہ اپنے موزے خود ہی اٹھا کر وارڈروب میں پھینکتے ہوئے بولا...... "ڈرائی کلیننگ کی ایک دکان دیر تک کھلی نظر آگئی تھی۔ اوور کوٹ وہاں دے آیا ہوں"۔

"کیوں؟ وہ تو ابھی بالکل صاف ستھرا تھا......" عالیہ نے پوری پوری کوشش کی کہ اس کے لہجے سے حیرت ظاہر نہ ہونے پائے اور نہ ہی یہ ظاہر ہو کہ وہ بہت زیادہ متجسس ہو کر بات پوچھ رہی ہے۔ وہ ہر بات سرسری لہجے میں کر رہی تھی۔

"گھر سے لے کر نکلا تھا تو صاف ستھرا تھا۔ جس وقت ڈرائی کلینرز کو دیا ہے اس وقت صاف ستھرا نہیں تھا......" منیر کپڑے بدلے بغیر تھکے تھکے سے انداز میں بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے بولا...... "راستے میں ایک جگہ گاڑی پنکچر ہو گئی تھی......"

"مرسیڈیز پنکچر ہو گئی؟" عالیہ اس کی بات کاٹتے ہوئے حیرت سے بولی۔ مرسیڈیز آج تک عالیہ کے زیر استعمال رہنے کے دوران کبھی پنکچر نہیں ہوئی تھی۔ اس میں بہت اعلیٰ قسم کے ریڈیل ٹائر ہوتے تھے۔

"تم تو ایسے حیران ہو رہی ہو جیسے کوئی بڑی انہونی ہو گئی ہو......" منیر قدرے

استہزائیہ سے انداز میں ہنس کر بولا......... "ارے........ ہمارے ملک کی سڑکوں پر تو اگر کوئی فولاد کے ٹائروں والی گاڑی آ جائے تو وہ بھی پنکچر ہو جائے۔ یہ یورپ یا امریکہ نہیں ہے جہاں بغیر ٹیوب کے صرف ٹائروں پر بھی گاڑیاں چل رہی ہیں........"

"خیر........ تو پھر تم نے کیا کیا؟" عالیہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

"میں اس وقت مین روڈ پر تھا۔ سڑک بالکل سنسان پڑی تھی۔ گاڑی کچے میں اتار کر میں نے بڑی مشکل سے ٹائر بدلا۔ اسی دوران میں بھیگ گیا حالانکہ ایک درخت کے نیچے تھا........ اور اسی دوران ایک گاڑی تیز رفتاری سے عین میرے پیچھے سے گزری جس نے بہت سی کیچڑ مجھ پر اچھال دی۔ آج تک میں نے صرف محاورہ ہی سنا تھا........ "کیچڑ اچھالنا........" لیکن آج جب اس گاڑی نے محاورتاً" نہیں بلکہ حقیقتاً مجھ پر کیچڑ اچھالی تو مت پوچھو کہ میری کیا حالت ہوئی۔ گاڑی میں مجھے کچھ مخمور سے قہقہے بھی سنائی دیئے۔ شاید گاڑی میں ویسے ہی کچھ گھٹیا قسم کے نودولتیے سوار تھے جیسے عموماً" سڑکوں پر گاڑی سٹارٹ کرتے یا موڑتے وقت ٹائروں کو سڑک پر رگڑ لگواتے ہیں اور چرچراہٹ پیدا کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اور شاید پوری دنیا داد و تحسین کی نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہی ہے........"

"آپ نے گاڑی کا نمبر نوٹ نہیں کیا؟" عالیہ نے پوچھا۔

"اتنا اندھیرا تھا وہاں........ نمبر کیا نوٹ کرتا........ ان کی نمبر پلیٹ پر روشنی بھی نہیں تھی۔ ویسے بھی وہ اتنی تیزی سے گزر گئے۔ نمبر نوٹ کرنے سے فائدہ بھی کیا ہونا تھا؟" منیر منہ بنا کر بولا........ "اگر گاڑی کا پہیہ پنکچر نہ ہوتا تو میں اسی وقت ان کے پیچھے جاتا پھر دیکھتا کہ وہ کتنی تیزی اور مہارت سے گاڑی چلا سکتے ہیں اور میرے ہاتھ سے بچ کر کہاں تک جا سکتے ہیں۔ ان کی بتیسیاں بھی میں نے ان کے معدوں میں پہنچا دینی تھیں........" اس کے چہرے سے برہمی ظاہر تھی۔

"خیر چھوڑیئے........ اب خون جلانے سے کیا فائدہ........" عالیہ نے گویا اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی........ "یہ بتایئے کہ پھر کیا ہوا؟"

"پھر بس یہی ہوا کہ میں اوور کوٹ اتار کر ڈرائی کلینرز کو دے آیا۔ یہ بھی خوش قسمتی ہی تھی کہ اس وقت ایک دکان کھلی مل گئی........" منیر بولا۔

"اور یہ آپ کی انگلی پر پٹی کیوں بندھی ہوئی ہے؟" دفعتہً عالیہ نے چونک کر پوچھا۔ اس کی نظر منیر کے ہاتھوں پر اب گئی تھی۔

"یہ تحفہ ٹائر بدلنے کے دوران ملا ہے........" منیر اس سے ہاتھ چھپانے کی کوشش

کرتے ہوئے بولا........ "ہم نے کافی عرصے سے جیک استعمال نہیں کیا۔ شاید اسی لئے مجھے معلوم نہیں تھا اس میں ایک جگہ تیز نوک سی نکلی ہوئی ہے۔ اس نے انگلی کاٹ کر رکھ دی"۔

"اس سے تو شاید ابھی تک خون رس رہا ہے۔ پٹی سرخ نظر آ رہی ہے"۔ عالیہ تشویش سے بولی........ "آپ مجھے دکھائیں........ میں اسے اچھی طرح صاف کر کے دوا لگا کے نئی پٹی باندھ دیتی ہوں"۔

"یہ کام میں خود کر لوں گا۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ زخم خاصی بدصورت چیز ہوتا ہے خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو........ اور میری پوری کوشش یہی ہوتی ہے کہ اس دنیا کی بدصورت چیزوں پر تمہاری نظر نہ پڑے........" منیر مسکراتے ہوئے بولا۔

"آپ مجھے دکھائیں تو سہی........ زخم زیادہ گہرا تو نہیں"۔ عالیہ کے لہجے میں تشویش برقرار تھی۔ اس نے منیر کا ہاتھ پکڑنے کے لئے دونوں ہاتھ بڑھائے لیکن منیر نے جلدی سے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

"میں نے کہا نا کہ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں........" منیر کے لہجے میں ہلکی سی سختی در آئی........ "زخم ہے تو ذرا گہرا ہی........ لیکن تشویش کی بہرحال کوئی بات نہیں ہے........" وہ تیزی سے باتھ روم میں چلا گیا جہاں میڈیسن کیبنٹ موجود تھی۔ دروازہ اس نے بند کر لیا پھر ہلکی سی کلک کی آواز نے بتایا کہ اس نے مقفل بھی کر لیا تھا۔ گویا وہ نہیں چاہتا تھا کہ عالیہ اسے پٹی تبدیل کرتے دیکھے۔ عالیہ بیڈ کی پٹی پر ساکت و صامت بیٹھی تھی۔ اس کے حسین چہرے پر سوچوں کی گہری پرچھائیاں تھیں۔

منیر کافی دیر بعد باتھ روم سے نکلا۔ وہ کپڑے بھی تبدیل کر چکا تھا اور انگلی کی پٹی بھی........ ایک ہاتھ سے اس نے دوسرے ہاتھ پر نہ جانے کس وقت سے پٹی کی تھی۔ اس کے ہاتھوں سے زخموں کی مخصوص دوائی کی بو آ رہی تھی۔ عالیہ اس وقت تک وہیں اپنی جگہ بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔

"تم اتنی پریشان اور فکرمند کیوں نظر آ رہی ہو؟" منیر براہ راست اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

"صبح میں نے خواب کی سی صورت میں جس واقعے کی جھلک دیکھی تھی وہ آج رات رُونما ہو چکا ہے........ کسی چھوٹے سے بیوٹی پارلر میں دو لڑکیوں کو انتہائی سفاکانہ انداز میں قتل کر دیا گیا ہے........" عالیہ دھیمے لہجے میں بولی۔ اس کے لہجے کی تہہ میں

اذیت پنہاں تھی۔

"اوہ........" وہ چونک کر بولا۔ عالیہ نے محسوس کیا کہ اس نے بے جان سے انداز میں تاسف اور حیرت کا اظہار کرنے کی کوشش کی تھی۔

"تم نے اس سلسلے میں پولیس سے رابطہ قائم کرنے کی تو کوشش نہیں کی؟" منیر نے پوچھا۔ وہ اب بھی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

"نہیں........ کوئی فائدہ نہیں تھا........" عالیہ بوجھل سانس لے کر بولی........ "ایک تو منظر مجھے عین اس وقت نظر آنا شروع ہوا جب قاتل جائے واردات پر پہنچ چکا تھا۔ دوسرے مجھے اس جگہ کے بارے میں ذرا بھی سراغ نہیں ملا"۔

"ظاہر ہے اب اس میں تمہارا قصور نہیں۔ تم اتنی اداس اور پریشان کیوں ہو؟" منیر اس کے قریب آتے ہوئے بولا۔

"وہ بہت دلدوز منظر تھا........" عالیہ کی آواز بھرا گئی........ "اور میری بے بسی نے میری اذیت کو دوچند کر دیا تھا........ میں سب کچھ دیکھ رہی تھی اور کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی"۔

"تم نے خواہ مخواہ ہی شہر کے دکھوں کو لبادے کی طرح اوڑھ لیا ہے"۔ منیر کے لہجے میں ہلکی سی تلخی در آئی........ "اس قسم کے واقعات کو روکنا تمہارے ذمے داری نہیں ہے........ جن کی یہ ذمے داریاں ہیں' ان کے پاس اختیارات ہیں' طاقت ہے اور جو تنخواہ اسی کام کی لیتے ہیں' اکثر وہ خود یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی انجان بن جاتے ہیں........ تم تو پھر بھی کسی غیبی آنکھ سے یہ سب دیکھتی ہو........ اور تم ایک کمزور اور نہتی عورت ہو........ وہ تو بسا اوقات یہ سب کچھ اپنی اصلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں مگر جہاں کہیں طاقت کا مظاہرہ ہو رہا ہوتا ہے' وہاں سے وہ کنی کترا کر گزر جاتے ہیں........ تمہیں کیا معلوم کہ شہر میں کیا کچھ ہو رہا ہے........ کہاں کہاں' کتنا ظلم و تشدد ہو رہا ہے........ ہر جگہ کمزور' طاقتور کی بربریت اور تشدد کا نشانہ بن رہا ہے........ انسان' انسان کو درندے کی طرح بھنبھوڑ رہا ہے........ اور کمزور کو بروقت بچانے والا کوئی نہیں........ بعد میں اس کی لاش پر گریہ زاری کرنے' بیانات دینے یا ان کے ورثاء کے زخموں پر معاوضوں کا نمک چھڑکنے کے لئے بڑی بھیڑ جمع ہو جاتی ہے........ لیکن بروقت ظالم کا ہاتھ روکنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ میں اور تم کیا چیز ہیں؟ ہم تو محض چار دیواریوں میں بیٹھ کر کڑھنے والے دو مجبور اور بے بس شہری ہیں........ ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ہم تو اپنا دکھ سنانے بھی کسی کے پاس نہیں جا سکتے........ ہمیں خود ہی ایک دوسرے کا دکھ بانٹنا ہے........"

"وہ اور باتیں ہیں........ وہ بڑے گنجلک مسائل ہیں........ تم تو سماجیات اور سیاسیات کی طرف چلے گئے........ یہ مختلف طرح کے جرائم ہیں جو میری محدود سی قوت نظارہ کی بدولت مجھے نظر آتے ہیں۔ میں اپنے آپ کو ان میں ملوث محسوس کرتی ہوں۔ کاش قدرت نے مجھے یہ قوت نظارہ نہ دی ہوتی........" عالیہ کا لہجہ بدستور آنسوؤں میں بھیگا ہوا تھا........ "یہ سب کچھ ایک تماشائی کی طرح دیکھتے ہوئے میں کیسے لاتعلق بن جاؤں؟ کیسے بھول جاؤں سب کچھ؟ میں اپنے اوپر ایسی بے حسی طاری نہیں کر سکتی"۔

"پورا معاشرہ ایک ہولناک اجتماعی بے حِسی کی طرف جا رہا ہے"۔ منیر ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولا........ "تم نے شاید کبھی محسوس نہیں کیا کہ شہر میں ایک جگہ خونریزی برپا ہوتی ہے اور کسی دوسرے علاقے میں لوگ وی سی آر پر فلمیں دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ روز روز سوگ منا بھی کون سکتا ہے؟ لوگ بے حِس بننے پر شاید مجبور ہوتے جا رہے ہیں۔ خونریزی اب کوئی خبر نہیں رہی۔ روٹین میں شامل ہو گئی ہے۔ معلوم نہیں ابھی معاشرے پر اور کیسا کیسا وقت آنا ہے"۔

عالیہ نے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی موٹی موٹی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں اور کرخت چہرے پر اندرونی اضطراب اور ہلچل کی جھلک تھی۔ عالیہ نے اس کی انگلی کی طرف دیکھا جس پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس کے ذہن میں اندیشوں کے جو سائے چند لمحے پہلے رینگ آئے تھے وہ معدوم ہونے لگے۔ منیر باہر سے خواہ کتنا ہی کرخت تھا لیکن اندر سے وہ ایک حسّاس آدمی تھا۔ عالیہ کا یہ یقین ایک بار پھر تازہ ہونے لگا........ مگر ساتھ ہی ساتھ کوئی چیز تھی جو اسے بے چین کئے ہوئے تھی۔ اس کے دل میں ایک عجیب سے اضطراب کا عفریت پنجے گاڑ چکا تھا۔

اس نے فیصلہ کیا کہ اگلی ملاقات میں وہ اس بے نام بے چینی' اس بے عنوان اضطراب کا ذکر ڈاکٹر معین سے ضرور کرے گی۔ ایک عجیب سے شک کا جو نہایت دھندلا سایہ اس کے ذہن میں رینگ آیا تھا' وہ اس کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کو ضرور بتائے گی۔ وہی اس کے رازدار تھے۔ انہی سے باتیں کر کے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا تھا........ اور بہت سی باتیں ایسی تھیں جو وہ ان کے سوا کسی سے کر بھی نہیں سکتی تھی۔ عالیہ کو یہ بھی یقین تھا کہ وہ اس پر باپ کی طرح مہربان تھے۔ عالیہ کی مدد کے لئے وہ صرف علمی یا لفظی حد تک ہی تیار نہیں رہتے تھے' ضرورت پڑنے پر وہ اس کے لئے کوئی بھی عملی قدم اٹھا سکتے تھے۔

○---------☆---------○

"میرے ذہن میں ایک عجیب سا خوف سرایت کر گیا ہے ڈاکٹر صاحب!" عالیہ کہہ رہی تھی۔ وہ اس وقت ڈاکٹر معین کے کلینک میں ان کے مقابل ایک آرام کرسی پر نیم دراز تھی۔ حسب معمول وہ ڈاکٹر صاحب کی مصروفیت کا وقت ختم ہو جانے کے بعد ان کے پاس آئی تھی اور وہ دونوں کافی دیر سے سکون و اطمینان سے باتیں کر رہے تھے۔

کلفٹن کے ایک مکان میں رہنے والے مکان میں تین ملازمت پیشہ لڑکیوں اور بیوٹی پارلر والی دو لڑکیوں کے قتل کو کئی دن گزر چکے تھے اب تو اخبارات بھی ان کے بارے میں شور مچا مچا کر خاموش ہو چکے تھے اور حسب معمول دوسری اہم خبروں' دوسرے ہنگاموں نے اخبارات میں ان کی جگہ لے لی تھی۔ قاتل کا ہنوز کوئی سراغ نہیں لگا تھا۔

عالیہ نے ڈاکٹر معین سے ان وارداتوں کے بارے میں بھی دیر تک تبادلۂ خیال کیا تھا۔

اس نے اپنے لاشعور میں رینگتے ہوئے بے عنوان اندیشوں سے بھی ڈاکٹر صاحب کو آگاہ کر دیا تھا۔ اس نے ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ جس رات بیوٹی پارلر میں دو لڑکیاں قتل ہوئیں اُس رات منیر بہت دیر سے گھر آیا تھا۔ بقول اس کے وہ اپنا اوور کوٹ ڈرائی کلینر کو دے آیا تھا مگر وہ کوٹ آج تک واپس نہیں آیا تھا۔ عالیہ نے اس کے بارے میں منیر کو کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی اور یہی ظاہر کیا تھا کہ وہ اس بات کو بھول بھال گئی ہے۔ مگر بات ظاہر ہے اس کے دل میں کھٹک رہی تھی۔ اس کا دل کہتا تھا کہ وہ کوٹ شاید اب بھی واپس نہ آئے۔

اس نے ڈاکٹر صاحب کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس رات منیر کی انگلی پر کوئی زخم تھا جو ابھی تک ٹھیک نہیں ہوا تھا اور عالیہ آج تک اس زخم کو دیکھ نہیں سکی تھی۔ منیر نے آج تک ایسا موقع ہی نہیں آنے دیا تھا۔ اس نے عالیہ کے سامنے کبھی پٹی نہیں اتاری تھی اور زخم کے تذکرے کو ہمیشہ ہنس کر ٹال دیا تھا۔

"میں ہر وقت ہی خوفزدہ سی رہنے لگی ہوں"۔ عالیہ بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "ایسا لگتا ہے جیسے میرے ذہن پر مستقلاً کوئی بوجھ ہے مگر میں کوشش کے باوجود اس کی نوعیت کو نہیں سمجھ پا رہی ہوں۔ کس چیز کا خوف ہے؟ کیوں مجھے لاحق ہے؟ کس طرح سے لاحق ہے؟ مجھے کچھ نہیں معلوم۔ بس یہ خوف گویا ایک زہر کی طرح خون میں شامل ہو گیا ہے"۔ اس نے لمبی لمبی پلکوں کی جھالریں اٹھا کر ڈاکٹر صاحب کی طرف دیکھا۔ مدھم روشنی میں اس کی حد سے زیادہ گوری رنگت دھندلائی دھندلائی سی لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سی تھکن تھی۔ ڈاکٹر معین نے محسوس کیا کہ وہ جب پچھلی مرتبہ ان کے ہاں آئی تھی' اس کے مقابلے میں اب کچھ زرد زرد سی لگ رہی تھی۔ انہوں نے

محسوس کیا کہ اندر ہی اندر کوئی چیز عالیہ کو دیمک کی طرح چاٹنے لگی تھی۔ انہیں اندیشہ محسوس ہو رہا تھا کہ اگر جلد اس سادہ دل اور معصوم لڑکی کے اس نامعلوم روگ کا علاج نہ کیا گیا تو وہ کسی بڑے اور ناقابل تلافی نقصان سے دوچار ہو جائے گی۔ وہ اس کے لئے بے پناہ فکرمند تھے مگر اس کے لئے کچھ کرنے سے پہلے اس کے بے عنوان خوف کی جڑ تک پہنچنا ضروری تھا۔

"تم اپنی بات جاری رکھو۔ میں توجہ سے سن رہا ہوں"۔ ڈاکٹر معین نے مشفقانہ لہجے میں کہا۔

عالیہ نے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے ایک گہری سانس لی اور نظریں جھکا لیں اس کی روشن پیشانی پر ہلکی ہلکی شکنیں تھیں۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ دھیمے لہجے میں بولی۔ "گزشتہ دونوں وارداتوں کے مناظر بھی مجھے پہلے سے مختلف انداز میں نظر آئے۔ اس سے پہلے میں اپنی غیبی آنکھ کی مدد سے جو کچھ دیکھتی تھی اس میں میری حیثیت ایک غیر متعلق تماشائی کی سی ہوتی تھی۔ میں اس کا اتنا زیادہ اثر نہیں لیتی تھی۔ لیکن اس بار تو مقتول لڑکیوں کی تکلیف میں نے خود محسوس کی...... ایسا لگا جیسے خنجر خود میرے وجود میں اتر رہا ہے۔ ہر وار کی اذیت مجھے محسوس ہوئی...... اور وہ کتنا عجیب واقعہ تھا...... وہ واقعہ تو آپ کے دفتر میں ہی پیش آیا تھا...... جب میں نے غیبی آنکھ سے قاتل کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی تھی تو اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا تھا...... مجھے صرف اس کی آنکھیں نظر آئی تھیں...... سرخ انگارہ سی آنکھیں...... اور اس کے ساتھ ہی یہاں آپ کے شیلفوں میں رکھے ہوئے شیشے کے کھلونے گر کر کرچی کرچی ہو گئے تھے۔ منظر میری آنکھ سے اوجھل ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا۔

"یہ تو خیر کوئی ایسی پیچیدہ بات نہیں"۔ ڈاکٹر معین بولے اس پر تو ہم تبادلۂ خیال کر چکے ہیں۔ ممکن ہے قاتل بھی غیر معمولی ذہنی صلاحیتوں کا مالک ہو"۔

"کاش میں اس کی صورت دیکھ سکتی"۔ عالیہ نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

"مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میرے لئے اس کی صورت دیکھنا انتہائی ضروری تھا اور نہ دیکھنے کی وجہ سے میں ایک عجیب سی اذیت میں مبتلا ہو کر رہ گئی ہوں۔ شاید یہ احساس بھی میرے خوف کا ایک حصہ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ کوئی اہم راز تھا جس سے آگاہ ہونا میری زندگی کے لئے بہت ضروری تھا"۔

"تم نے منیر سے یہ سب باتیں کی ہیں؟" ڈاکٹر معین نے پوچھا۔

"کچھ کی ہیں........ کچھ نہیں کی ہیں........" عالیہ اپنے ناخنوں کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ "جو باتیں میں نے ان سے کہیں' انہیں انہوں نے کوئی اہمیت نہیں دی........ مذاق میں بات کو اُڑا دیا پھر بچوں کی طرح مجھے بہلانے کی کوشش کی۔ بعض باتوں کے بارے میں میں نے محسوس کیا کہ وہ میں ان سے کر ہی نہیں سکتی۔ بعض مسائل شاید میں ان سے شیئر نہیں کر سکتی"۔

"اس سے تمہاری شادی ہوئے زیادہ عرصہ تو نہیں گزرا"۔ ڈاکٹر معین ملائمت سے بولے۔ "کیا ابھی سے اس کے اور تمہارے درمیان کوئی خلیج پیدا ہو گئی ہے؟ کیا تم اپنے اور اس کے درمیان کوئی فاصلہ محسوس کرنے لگی ہو؟ ذہنی ہم آہنگی کا فقدان ہے؟ خیالات میں تضاد ہے؟"

"یہ سب چکر نہیں ہیں ہماری ازدواجی زندگی میں ایسے عامیانہ سے مسائل کا گزر نہیں ہے"۔ عالیہ الجھن آمیز لہجے میں بولی۔ "وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ میری ہر فکر کو چٹکیوں میں اُڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر طرح سے میرے آرام' میری خواہشات اور میری خوشنودی کا خیال رکھتے ہیں۔ شاید میرا ہی ذہن تضادات کا شکار ہو گیا ہے۔ شاید میں کسی خلجان کا شکار ہوں۔ کبھی میں اپنے آپ کو انہی کی قربت میں سب سے زیادہ محفوظ محسوس کرتی ہوں اور کبھی مجھے سب سے زیادہ خوف انہی سے آتا ہے"۔

"یہ کیفیت کب سے ہے؟" ڈاکٹر معین نے دریافت کیا۔

"کچھ ہی دنوں سے"۔ عالیہ نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔ "کبھی کبھی عجیب سا احساس ہوتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے منیر وہ شخص نہیں جن سے میں نے شادی کی تھی........ جیسے........ ان کا سراپا وہی ہے مگر ان کی روح بدل گئی ہے۔ ان کے اندر گویا کوئی اور روح حلول کر گئی ہے........"

وہ ایک لمحے الجھن آمیز سے انداز میں خاموش رہی گویا اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ اپنے مفہوم کو کس طرح واضح کرے۔ بے حد ہچکچاہٹ کے عالم میں وہ بولی۔ "ایک بات اور بھی ہے........" لیکن پھر اس کے زرد رخساروں پر ہلکی سے سرخی نمودار ہوئی اور اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ بلکہ شاید اس نے بات کہنے کا ارادہ ہی ملتوی کر دیا اور اپنے ریشمی بالوں کی ایک لٹ بار بار انگلی پر لپیٹنے اور کھولنے لگی۔

ڈاکٹر معین شفقت آمیز انداز میں اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بولے۔ "دیکھو بیٹا! میں تمہارا دوست بھی ہوں اور بزرگ بھی۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ میں تمہارا ڈاکٹر بھی ہوں۔ دوست اور بزرگ سے تو شاید کوئی بات چھپائی بھی جا سکتی ہو لیکن ڈاکٹر

سے کوئی بات نہیں چھپائی جا سکتی۔ تمہارے ذہن میں جو گورکھ دھندے پرورش پا رہے ہیں' میں ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں کہ وہ سلجھ سکیں' لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ تم کوئی بھی بات مجھ سے نہ چھپاؤ۔ چاہے وہ بظاہر کتنی ہی غیر اہم ہو اور خواہ اس کی نوعیت کچھ بھی ہو........ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے........"

عالیہ ایک لمحے خاموش رہی پھر منہ پھیرتے ہوئے نہایت دھیمی آواز میں بولی........

"کچھ دنوں سے ان میں میری طلب بہت بڑھ گئی ہے........ تقریباً درندگی سی آ گئی ہے........ یہ عالم تو شادی کے ابتدائی دنوں میں بھی نہیں تھا........ میں بُری بُری خبریں سن کر اور اپنے ڈیپریشن کی وجہ سے جنسی سرد مہر ہوتی جا رہی ہوں' ان کا معاملہ اتنا ہی الٹ ہوتا جا رہا ہے........ یہ تبدیلی بھی مجھے بہت عجیب لگ رہی ہے........"

"ہوں........" ڈاکٹر معین نے ایک طویل ہنکار ابھرا اور پُرخیال انداز میں اپنی ٹائی سے کھیلتے ہوئے بولے۔ "یہ بہت اہم بات بتائی ہے تم نے۔ یہ انسان میں چھپے ہوئے درندے کی جبلت........ اور اس کی بہت سی اندرونی کیفیتوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ فتح مندی کا احساس درندوں میں ایک نئی زندگی دوڑا دیتا ہے یہ بہت اہم نکتہ بتایا ہے تم نے۔ بہت مدد ملے گی اس سے"۔

"ایک اور بات ہے........" عالیہ تھوک نگل کر بولی........ "رات کو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اچانک میری آنکھ کھلتی ہے تو میں انہیں اپنے پہلو سے غائب پاتی ہوں۔ پھر وہ بیڈ روم کے دروازے پر نمودار ہوتے ہیں۔ نہ جانے کیوں میں اسی طرح لیٹی رہتی ہوں جیسے بدستور سو رہی ہوں لیکن آنکھیں معمولی سی کھلی رکھ کر میں انہیں دیکھتی رہتی ہوں۔ بعض اوقات وہ کافی کافی دیر تک دروازے پر ہی کھڑے رہتے ہیں اور ایک ٹک میری طرف دیکھتے رہتے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں نیند کے خمار اور رت جگے کی سرخی کے ساتھ ایک عجیب سی چمک ہوتی ہے جسے میں اتنی دور سے بھی محسوس کر سکتی ہوں........ ان لمحات میں مجھے بے پناہ خوف محسوس ہوتا ہے........ میرے ہاتھ پاؤں سرد پڑ جاتے ہیں۔ میں اپنے آپ کو قطعی غیر محفوظ محسوس کرتی ہوں۔ جب تک وہ سو نہیں جاتے تب تک میں اندر ہی اندر کانپتی رہتی ہوں۔ دن کی روشنی میں منیر کی قربت میں اپنی اس کیفیت کو یاد کر کے مجھے حیرت ہوتی ہے"۔

ڈاکٹر معین نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا۔ وہ پُرخیال نظروں سے عالیہ کی طرف دیکھ رہے تھے مگر ان کا ذہن جیسے دور کہیں کوئی الجھا ہوا تانا بانا سلجھانے میں مصروف تھا۔

○---------☆---------○

عالیہ کے جانے کے بعد بھی ڈاکٹر معین دیر تک اپنی جگہ ساکت بیٹھے رہے۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ پھر وہ اٹھ کر نیم تاریک کمرے میں ٹہلنے لگے۔ کبھی وہ مضطربانہ انداز میں اپنے برف جیسے سفید بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگتے اور کبھی زیرلب بڑبڑاتے ہوئے چٹکیاں بجانے لگتے۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ کبھی چھت کی طرف دیکھتے اور کبھی فرش کی طرف........ اس وقت وہ ایک نامی گرامی ماہر نفسیات کے بجائے خود کوئی نفسیاتی مریض دکھائی دے رہے تھے۔

بالآخر وہ گویا کسی الجھن کے سلسلے میں کسی نتیجے پر پہنچ گئے۔ دل ہی دل میں انہوں نے گویا کوئی فیصلہ کرلیا' اور اس کے ساتھ ہی جیسے قرار سا آگیا۔ وہ واپس اپنی میز پر آن بیٹھے۔ فون اپنی طرف کھسکا کر انہوں نے ایک نمبر ڈائل کیا۔ سلسلہ ملنے پر وہ شگفتہ لہجے میں بولے۔ "ہیلو........ ایڈیٹر صاحب! کیا حال ہیں؟ پہچانو تو بھلا میں کون بول رہا ہوں؟"

دوسری طرف سے ہیلو کہنے والے نے ایک طویل سانس لی اور ڈھیلے سے لہجے میں بولا........ "اتنی پُراسرار آواز کسی ماہر نفسیات ہی کی ہوسکتی ہے........ خصوصاً ایسا ماہر نفسیات جس کی اپنی نفسیات میں بے شمار پیچ و خم ہوں"۔

ڈاکٹر معین نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور خوش دلی سے بولے........ "محسن........ یار! تم ڈھیر ہوگئے مگر تمہارے انداز بالکل نہیں بدلے"۔

محسن صاحب ٹھہرے لہجے میں بولے۔ "اگر ہمارے انداز بدل جاتے تو تمہاری آواز کیسے پہچانتے؟ سال دو سال میں ایک آدھ بار فون کرتے ہو۔ اس کے باوجود ہم تمہاری آواز پہچان لیتے ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ نہ تم بدلے ہو اور نہ ہی ہم بدلے ہیں"۔

"ہاں........ یہ بات تو ہے"۔ ڈاکٹر معین کے لہجے میں وہی خوشی اور سرشاری تھی جو پرانے دوستوں سے بات کرتے وقت ہوتی ہے۔

"مگر تم ہو بڑے خبیث!" محسن اپنے مخصوص ڈھیلے ڈھالے لہجے میں بولے........ "تم صرف اس وقت فون کرتے ہو جب تمہیں کوئی کام ہوتا ہے۔ کم از کم اس سلسلے میں دوسروں کی نفسیات کا ہی کچھ خیال رکھ لیا کرو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ خودغرض اور مطلبی قسم کے لوگ سب ہی کو بُرے لگتے ہیں؟"

"ہاں۔ یہ تو ٹھیک ہے........ لیکن یہ بات تم جیسے کمینے آدمی کے منہ سے بچ نہیں رہی"۔ ڈاکٹر معین مصنوعی سنجیدگی سے بولے۔

اس پر دونوں نے ہم آہنگ ہو کر قہقہہ لگایا پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے بولے۔ "ہم

دونوں نے ایک دوسرے کی شان میں قصیدے تو خوب پڑھ لئے اور ایک دوسرے کی عزت افزائی بھی خوب کرلی........ اب تم سنجیدگی سے بتاؤ تو کام کیا ہے؟ تمہیں معلوم ہے کہ میرا وقت بہت قیمتی ہے"۔

"خاک قیمتی ہے تمہارا وقت........" ڈاکٹر معین مصنوعی غصے سے بولے۔ "اب تم کرتے کیا ہو؟ حرام کی روٹیاں توڑتے ہو۔ اب تو تم ایک بڑے اخبار کے ایڈیٹر ہو۔ بڑا نام ہے تمہارا۔ اپنے ایئرکنڈیشنڈ کمرے میں بیٹھے ریوالونگ چیئر کو اِدھر اُدھر گھماتے رہتے ہو۔ جھولا جھولتے رہتے ہو۔ توند کو سہلاتے رہتے ہو۔ کبھی اٹھا کر اِس فون پر بات کرلی........ کبھی اُس فون کو اٹھا کر بات سن لی۔ آج فلاں فائیو سٹار ہوٹل میں ڈنر اڑا لیا۔ آج فلاں سیاست دان کے ہاں روٹیاں توڑ لیں۔ کبھی فلاں ماتحت کو بلا کر ڈانٹ لیا اور کبھی فلاں ماتحت کو ہدایات دے دیں........ یہ کوئی کام ہیں؟ کام تو میری جان تم اس وقت کرتے تھے جب تم ایک چھوٹے سے اخبار میں ایڈیٹوریل پیج کے انچارج تھے اور صفحے کو اچھے سے اچھا بنانے کے لئے الٹا لٹکنے کو بھی تیار رہتے تھے۔ کوئی کاتب چھٹی کر جاتا تھا تو اسے بلانے خود اس کے گھر دوڑے چلے جاتے تھے۔ جب تک تمہارے پرچے کے پروف چھپ کر نہیں آجاتے تھے تب تک خود بھی دفتر میں بیٹھے رہتے تھے۔ گھٹیا سگریٹیں پھونکتے رہتے تھے۔ تمہاری حالت دیکھ کر لوگ سمجھتے تھے کہ سینی ٹوریم سے بھاگا ہوا کوئی آخری سٹیج کا مریض ہے........"

"تم نے بھی محنت بس اسی دور میں کرلی ہے بچو!" محسن ان کی بات کاٹتے ہوئے بولے۔ "جب تم راتوں کو جاگ جاگ کر نفسیات کے موضوع پر بھاری بھرکم مقالے لکھ کر ہمارے پاس لایا کرتے تھے اور ہم سارا پلندہ اٹھا کر بے دردی سے تمہارے منہ پر تقریباً مار ہی دیا کرتے تھے اور ہاتھ جوڑ التجا کرتے تھے کہ جناب! کچھ مختصر لکھئے اور آسان زبان میں لکھئے' اور آخر کار ہماری رہنمائی سے تمہیں نفسیاتی کالم لکھنا آ ہی گیا تھا........"

"اور میرے ہی کالم کی وجہ سے تمہارا وہ چھوٹا اخبار دگنا بکنے لگا تھا۔ یاد ہے........ نفسیاتی الجھنوں کے جواب بھی تو میں ہی دیا کرتا تھا"۔ ڈاکٹر معین بات کاٹ کر بولے۔

"ظاہر ہے یہ بیکار کام کوئی بیکار آدمی ہی کر سکتا ہے۔ کیسے کیسے دردناک خط آتے تھے۔ کاتب بھی انہیں پڑھ کر زاروقطار روتے رہتے تھے"۔ محسن بولے........ "وہی زمانہ تھا جب تم بھی محنت کیا کرتے تھے۔ اب تو تم صرف اپنے نام کی کمائی کھا رہے ہو"۔

"شکر کرو اپنے ہی نام کی کمائی کھا رہا ہوں۔ تمہاری طرح دوسرے کے نام کی کمائی

نہیں کھا رہا ہوں"۔ ڈاکٹر معین ترکی بہ ترکی بولے۔

"وہ نام بھی تو ہمارے ہی بنائے ہوئے ہیں"۔ محسن کے لہجے میں احساسِ تفاخر تھا۔

"خیر...... اب یہ بکواس چھوڑو۔ ہم ایک دوسرے کے پوتڑے ہی کھولتے رہیں گے یا کوئی کام کی بات بھی ہوگی؟"

"دراصل یار......! تم سے بہت دن بعد بات ہو رہی ہے نا...... اس لئے دل کی بھڑاس نکالنے کو جی چاہ رہا تھا۔ لوگ تو آکر ماہر نفسیات کے پاس اپنے دل کی بھڑاس نکال جاتے ہیں۔ ماہر نفسیات اپنے دل کی بھڑاس کہاں نکالے؟ کام تم سے یہ تھا کہ کچھ گڑے مُردے اکھڑوانے تھے۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے مختلف اداروں اور محکموں میں ریکارڈ وغیرہ رکھنے کا تو کچھ زیادہ رواج نہیں ہے...... اور جہاں جہاں ریکارڈ ہوتے بھی ہیں وہاں سے بھی بیسیوں سال پرانی تفصیلات نکلوانا جان جوکھوں کا کام ہے۔ اس لئے مجھے تمہارا خیال آیا۔ تم نہایت آسانی سے میرا یہ کام کر سکتے ہو۔ اس سلسلے میں دوسرے کسی محکمے سے بھی رابطہ قائم کرنا پڑا تو تمہارے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ اکثر جگہوں پر تو تمہارا صرف ایک فون کرنا ہی کافی ہوتا ہے"۔

"ایک تو یہ تمہاری لمبی لمبی تمہیدیں باندھنے کی عادت ابھی تک نہیں گئی۔ اب اصل بات بھی اگلو گے یا ادھر ادھر ہی کی ہانکتے رہو گے"۔

یہ ۶۵ء کے اواخر کی بات ہے۔ جنگ ستمبر ختم ہوچکی تھی...... دسمبر کا واقعہ ہے......" ڈاکٹر معین نے گویا کوئی بھولی بسری کہانی شروع کرتے ہوئے کہا۔ "کلفٹن کے پرانے علاقے میں عظیم احمد نامی ایک آسودہ حال آدمی رہتے تھے۔ ان کے ہاں ایک افسوسناک سا کیس ہوگیا تھا۔ ان کی ایک بچی تھی۔ عالیہ اس کا نام تھا۔ چھ سات سال کی تھی وہ اس وقت۔ ان کے ہاں قادر بخش نامی ایک مالی تھا۔ اس بدبخت نے لڑکی کو نہایت سفاکانہ تشدد کے ذریعے اپنی دانست میں مار ہی دیا تھا۔ بچی کی زندگی ہی تھی کہ وہ بچ گئی تھی۔ مالی کو پھانسی کی سزا ہوئی تھی۔ تقریباً ایک سال کیس چلا تھا۔ مالی نے سپریم کورٹ میں اپیل کرنے کی بجائے اپنی جیل کی کوٹھری میں ہی گلے میں پھندا ڈال کر خودکشی کرلی تھی"۔

ڈاکٹر معین ایک لمحے کے لئے خاموش ہوئے تو محسن پرخیال سے لہجے میں بولے۔

"یہ کیس مجھے بھی کچھ یاد تو پڑتا ہے کیونکہ ان دنوں میں بھی رپورٹنگ سائیڈ پر تھا"۔

"یہ اخبار جس کے تم آج کل ایڈیٹر ہو...... اس کیس کی سب سے زیادہ تفصیلی رپورٹیں بڑے تسلسل کے ساتھ اسی اخبار میں چھپی تھیں۔ قادر بخش کی خودکشی کے بعد

بھی فالواپ چھپتے رہے تھے مگر ان کی تفصیل اب یاد نہیں رہی ظاہر ہے اس وقت یہ ہمارے لئے ویسی ہی خبریں تھیں جیسی عموماً اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں اور ہم انہیں پڑھ کر دل ہی دل میں کچھ تاسف محسوس کرتے ہوئے یا زیادہ سے زیادہ ایک جھرجھری سی لے کر اخبار کی ایک طرف رکھ دیتے ہیں اور زندگی کے جھمیلوں میں رفتہ رفتہ بھول جاتے ہیں کہ کسی خاندان پر کیا قیامت ٹوٹی تھی......"

"تو کیا اب تمہارا اس کیس سے کوئی تعلق بن گیا ہے؟" محسن نے ڈاکٹر معین کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"یہی سمجھ لو......" معین غیرواضح لہجے میں بولے۔

"تو اب کیا چاہتے ہو؟" محسن نے پوچھا۔

"قادر بخش شادی شدہ تھا۔ اس کا ایک لڑکا بھی تھا۔ وقوعہ کے وقت وہ دونوں کسی گاؤں میں تھے لیکن قادر بخش کی گرفتاری کے بعد کراچی آگئے تھے۔ لڑکے کا نام مجھے...... بلکہ کسی کو بھی یاد نہیں ہے۔ اس وقت وہ پندرہ سولہ سال کا تھا۔ مجھے اس کے بارے میں جو بھی زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہوسکیں' وہ درکار ہیں۔ اس کے بارے میں آخری اطلاع کیا تھی...... غرض یہ کہ جو کچھ بھی معلوم ہوسکے وہ بہتر ہوگا"۔

بس اتنی سی بات تھی جس کے لئے اتنی لمبی تمہید باندھی تھی؟" محسن بے پروائی سے بولے۔

"تمہارے لئے تو واقعی یہ اتنا اہم مسئلہ نہیں ہے لیکن میں اس پر سوچ سوچ کر بہت پریشان رہا ہوں۔ تمہیں اپنے اخبار کا ریکارڈ بھی نکلوانا پڑے گا اور دیگر ذرائع بھی استعمال کرنا پڑیں گے۔ تم میری خاطر اتنی زحمت کرلوگے؟"

"نہیں...... میں بھلا کیسے کرسکتا ہوں اتنی زحمت؟ اس سے پہلے کبھی تمہارے لئے کوئی زحمت اٹھائی ہے؟" محسن مصنوعی خفگی سے بولے۔

"ارے...... تم تو بُرا منا گئے......" ڈاکٹر معین حقیقتاً گڑبڑا کر بولے۔ "میں دراصل اسی لئے تو شرمندگی محسوس کر رہا ہوں کہ میں ہی اکثر تمہیں تکلیف دیتا رہتا ہوں۔ تم نے آج تک مجھے اپنی کسی خدمت کا موقع نہیں دیا"۔

"تم جس قبیل کے آدمی ہو' خدا نہ کرے کہ مجھے کبھی تمہاری خدمات کی ضرورت پڑے"۔ محسن بلا تامل بولے۔

"خیر...... ضرورت تو تمہیں بہت عرصے سے چلی آرہی ہے۔ لیکن مریض کو بھلا خود کہاں احساس ہوتا ہے کہ اس کے دماغ میں کوئی خلل ہے"۔ ڈاکٹر معین نے ہمدردانہ

لہجے میں کہا۔ دونوں نے ایک بار پھر ہم آہنگ ہو کر قہقہہ لگایا۔ پھر ڈاکٹر معین سنجیدہ ہوتے ہوئے بولے۔ "پھر میں تمہیں اس سلسلے میں کب فون کروں؟"

"میرے پاس جب اس سلسلے میں معلومات جمع ہو جائیں گی تو میں خود تمہیں فون کروں گا اور میرا خیال ہے اس کام میں زیادہ سے زیادہ دو دن لگیں گے"۔ محسن نے بھی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارے فون کا شدت سے انتظار کروں گا"۔ ڈاکٹر معین نے طمانیت سے کہا۔

○---------☆---------○

ڈاکٹر معین کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ دوسرے ہی دن شام ڈھلے ان کے فون کی گھنٹی بجی اور دوسری طرف محسن صاحب کی آواز سنائی دی۔ ڈاکٹر معین کی آواز سن کر وہ چھوٹتے ہی بولے۔ "لعنت ہو تمہاری نفسیات دانی پر........ تم نے تو میری نفسیات خراب کر کے رکھ دی........ کیا بیکار کام بتا دیا مجھے........ اتنے پرانے اخباروں کی فائلیں نکلوانی پڑیں کہ ان میں رچی ہوئی دھول مٹی اور بو سے مجھے الرجی ہوگئی۔ زکام ہوگیا........"

"طبیعت میں نزاکت جو آگئی ہے"۔ ڈاکٹر معین نے بڑی ملائمت سے ان کی بات کاٹی۔ "ورنہ کسی زمانے میں تمہیں گرد و غبار کے طوفان اور بارشوں میں بھی زکام نہیں ہوتا تھا"۔

ایک تو تم یہ پرانے وقتوں کے طعنے دے دے کر مجھے خودکشی پر مجبور کر دو گے"۔ محسن صاحب مصنوعی غصے سے بولے۔

"تم جیسے ڈھیٹ آدمی بھلا کہاں خودکشی کرتے ہیں"۔ ڈاکٹر معین ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔

"اچھا بیکار باتیں تم مریضوں کو سنانے کے لئے بچالو........ اور جو واہیات کام تم نے میرے سپرد کیا تھا اس کی رپورٹ سن لو........ اس کام کے سلسلے میں ایک ریٹائرڈ ایس ایچ او سے بات کرنے کے لئے مجھے تین ٹرنک کالیں بھی کرنی پڑی ہیں جن کا بل میں تمہیں بھجواؤں گا........" محسن صاحب نے دھمکی کے انداز میں کہا۔

"یہ تو تم اخبار والوں کی پرانی عادت ہے........ کام بعد میں کرتے ہو، بل پہلے تھما دیتے ہو........" ڈاکٹر معین بے پروائی سے بولے۔ "خیر........ بل کی فکر میں دبلے ہونے کے بجائے کام کی بات کرو........"

محسن صاحب گہری سانس لے کر بولے۔ "قادر بخش مالی نے واقعی جیل کی کوٹھڑی

میں خودکشی کر لی تھی۔ اس کے سولہ سالہ لڑکے کا نام واحد بخش تھا۔ قادر بخش کی گرفتاری کے بعد وہ اپنی ماں کے ساتھ گاؤں سے کراچی آگیا تھا اور دونوں ماں بیٹا ایک کچی بستی میں جھونپڑی نما مکان میں رہنے لگے تھے۔ یہ بستی کلفٹن سے زیادہ دور نہیں تھی جہاں قادر بخش کے ہاتھوں چھ سالہ بچی پر تشدد کا واقعہ ہوا تھا۔ قادر بخش کی پیشیوں کے دوران یہ ماں بیٹا عدالت میں بھی آتے رہے۔ ایک مرتبہ سولہ سالہ واحد بخش نے رپورٹروں کے سامنے چلا کر یہ بھی کہا تھا کہ اس کا باپ بے قصور ہے اور اگر اسے کچھ ہوا تو وہ مدعی خاندان سے اس کا بدلہ لے گا"۔

"اوہ مجھے اندیشہ تھا کہ ایسی کوئی بات ضرور ہوئی ہوگی"۔ ڈاکٹر معین خود کلامی کے انداز میں بولے۔

"قادر بخش کی خودکشی کے چند دن بعد ہی یہ اسکینڈل ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ تقریباً بھلا دیا گیا تھا۔ اس کی بیوہ اور بیٹے واحد بخش کے بارے میں بھی ایک عرصے تک کوئی بات سننے میں نہیں آئی۔ واحد بخش اور اس کی ماں کا تذکرہ اس وقت ایک بار پھر اخباروں میں آیا جب ان کے جھونپڑی نما مکان میں آگ لگی۔ آگ ان کی جھونپڑی سے شروع ہوئی تھی اور اس نے بستی کی بیس پچیس جھونپڑیوں کو لپیٹ میں لے لیا تھا اور انہیں خاکستر کر دیا تھا۔ جانی نقصان بہرحال زیادہ نہیں ہوا تھا۔ تاہم دو ایک دوسرے افراد کے علاوہ واحد بخش اور اس کی ماں اخباری رپورٹ کے مطابق جل کر ہلاک ہوگئے تھے۔ ان کی لاشیں کوئلہ ہوگئی تھیں اور ان کی شناخت ممکن نہیں رہی تھی۔ محض ایک مرد اور ایک عورت کے سوختہ ڈھانچے کی مدد سے یہ اندازہ لگایا گیا تھا کہ وہ واحد بخش اور اس کی ماں تھی جنہیں رات کے پچھلے پہر نیند کے عالم میں شعلوں نے نگل لیا تھا"۔

"اوہ........" ڈاکٹر معین نے بے ساختہ انداز میں گہری سانس لی۔ اس کا مطلب ہے کہ واحد بخش کے آج کل کسی اور نام سے کہیں موجود ہونے کا کوئی امکان نہیں........"

"اس بارے میں ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے"۔ محسن صاحب کے ان الفاظ نے ڈاکٹر معین کو بری طرح چونکنے پر مجبور کر دیا۔ محسن صاحب بات جاری رکھتے ہوئے بولے۔ "کیونکہ یہاں سے کہانی ایک اور موڑ لیتی ہے۔ اخباری رپورٹروں سے اشارہ ملتا ہے کہ مالی قادر بخش اور اس کا بیٹا واحد بخش بہت ہی معمولی شکل و صورت کے مالک تھے۔ انہیں تقریباً بدصورت ہی شمار کیا جا سکتا ہے، لیکن قادر بخش کی بیوی ایک نہایت حسین عورت تھی۔ اخباری رپورٹوں سے اشارہ ملتا ہے کہ اس کے شوہر پر جو الزام لگا تھا اور جس کے نتیجے میں بالآخر اسے موت کی سزا ہوئی، اس پر وہ شرمندہ نظر آتی تھی۔

لوگوں سے نظر چراتی تھی اور بیٹے کے برعکس اس کا رویہ ندامت آمیز تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس نے شوہر کی موت کا کوئی خاص اثر نہیں لیا تھا۔ اخباری رپورٹوں سے قطع نظر اس قسم کی افواہوں کے سراغ بھی ملتے ہیں کہ عدت پوری ہونے کے بعد اس کے گھر میں بعض اجنبیوں کی آمدورفت بھی شروع ہوگئی تھی اور اس کا نوخیز بیٹا اس سلسلے کو پسند نہیں کرتا تھا۔ غالباً کئی مرتبہ اس مسئلے پر ان کے درمیان کشیدگی بھی ہوئی...... چنانچہ جب ان کی جھونپڑی میں آتشزدگی کے بعد ایک زنانہ اور ایک مردانہ ڈھانچا پایا گیا تو ایک قیاس یہ بھی سامنے آیا کہ شاید وہ حسین بیوہ اور اس کے کسی آشنا کے ڈھانچے ہوں' آگ درحقیقت واحد بخش نے لگائی ہو اور اس کے بعد وہ غائب ہوگیا ہو۔ یعنی اس نے غیظ و غضب سے مغلوب ہو کر اپنی ماں اور اس کے آشنا کو سزا دی ہو' لیکن چونکہ اس سلسلے میں کوئی شہادت یا ثبوت سامنے نہیں آیا جس سے اس نظریے یا قیاس کی تائید ہوسکتی چنانچہ پولیس نے جلد از جلد اس معاملے کو داخل دفتر کرکے جان چھڑانے کی کوشش کی...... بات یہ بھی تھی کہ سترہ اٹھارہ سالہ واحد بخش بھی نوجوانی میں ہی غیر معمولی قد کاٹھ کا مالک تھا اور پورا جوان مرد نظر آتا تھا۔ اس لئے سوختہ مردانہ ڈھانچے کو اس کا ڈھانچا قرار دینے میں پولیس کو کسی دشواری کا سامنا نہیں تھا۔ یوں یہ معاملہ اپنے اختتام کو پہنچ گیا اور فراموش کر دیا گیا۔ قادر بخش کا مختصر کنبہ اور اس کی ناگوار کہانی بظاہر ختم ہوگئی......" محسن صاحب خاموش ہوگئے۔

ڈاکٹر معین ایک طویل لمحے تک خاموش رہے تو محسن صاحب بولے۔ "تمہیں سانپ کیوں سونگھ گیا؟ تم دوسری طرف موجود بھی ہو؟ کہیں فوت نہیں ہوچکے ہو؟"

"میں تمہارے کوسنوں سے مرنے والا نہیں ہوں"۔ ڈاکٹر معین فوراً شگفتہ لہجے میں بولے۔ "مجھے تو اس نکتے نے الجھا لیا تھا کہ واحد بخش کے زندہ ہونے کا امکان بہرحال موجود ہے"۔

"ان امکانات پر اب تم بیٹھے غور کرتے رہو۔ مجھے تو اب اسلام آباد کی فلائٹ پکڑنی ہے۔ میں ایک اہم پولیس کانفرنس میں جا رہا ہوں"۔ محسن صاحب نے کہا۔ "اگر کسی اور سوال وغیرہ کی وجہ سے تمہارے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہا ہو تو وہ بھی پوچھ ڈالو......"

"نہیں...... نہیں...... میں تمہارا مزید وقت ضائع نہیں کروں گا۔ اسلام آباد میں کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں لنچ یا ڈنر پر ٹوٹ پڑنے کے لئے تمہارے جبڑے اور آنتیں بے قرار ہوں گی۔ میں تمہارے صبر کا مزید امتحان نہیں لینا چاہتا...... خدا حافظ"۔ اس سے پہلے کہ محسن صاحب جواباً انہیں کچھ کھری کھری سناتے' انہوں نے مسکراتے ہوئے

جلدی سے ریسیور رکھ دیا...... لیکن جلد ہی ان کی یہ مسکراہٹ معدوم ہوگئی اور وہ ایک بار پھر سوچ میں ڈوب گئے۔

وہ اس وقت چونکے جب شیشے کا دروازہ بے آواز طریقے سے کھلا اور پھر ایک مترنم نسوانی آواز ابھری...... "اسلام علیکم!"

ریوالونگ چیئر ذرا سی گھماتے ہوئے ڈاکٹر معین نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ عالیہ تھی جو دروازہ کھولے اجازت طلب انداز میں جھانک رہی تھی۔ ڈاکٹر معین قدرے حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے کیونکہ عالیہ فون پر اپنی آمد کی پیشگی اطلاع دیئے بغیر نہیں آتی تھی۔ پھر انہوں نے سوچا کہ شاید کسی بہت ہی ہنگامی نوعیت کی پریشانی نے عالیہ کو اچانک چلی آنے پر مجبور کر دیا ہو...... لیکن اس کے چہرے پر ایسی پریشانی کے بھی کوئی آثار نہیں تھے البتہ اس کی گہری گہری آنکھوں میں فکرمندی کی پرچھائیاں ضرور موجود تھیں...... سو وہ ہمیشہ ہی ہوتی تھیں۔

"آؤ...... آؤ عالیہ! یہ آج تم اچانک کیسے ادھر آنکلیں؟" ڈاکٹر معین نے مشفقانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ عالیہ مسکراتی ہوئی اس کرسی پر آبیٹھی۔ اپنا ہینڈ بیگ اس نے گود میں رکھ لیا۔

"بس...... میں نے سوچا کہ زندگی میں کوئی چھوٹا موٹا کام کبھی اچانک بھی کرگزرنا چاہئے......" عالیہ گہری سانس لے کر بولی۔ اس کے دھوپ جیسے سفید چہرے پر بے پناہ معصومیت تھی لیکن اس کی مسکراہٹ بے جان سی تھی۔ وہ بگلے جیسی سفید چادر میں اپنے آپ کو لپیٹے ہوئے تھی لیکن چادر کے نیچے اس کی گھٹاؤں جیسی سیاہ زلفیں کھلی تھیں۔ چند موٹی موٹی لٹیں اس کے شانوں پر جھول رہی تھیں اور بعض لٹیں قالین کو چھونے لگی تھیں۔ اس کے بال بہت لمبے اور گھنیرے تھے۔ بڑی مشکلوں سے قابو میں آتے تھے۔ ان زلفوں کے حلقے میں اس کا صبیح چہرہ ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے چودھویں کا چاند برسات کی اندھیری رات کا گریباں چاک کرکے اچانک ہی سامنے آگیا ہو۔

وہ بالوں کو سمیٹتے اور چادر کو سنبھالتے ہوئے گہری سانس لے کر بولی۔ "حسب روایت پہلے کافی پلوایئے...... آپ کے ہاں کی کافی کمال کی ہوتی ہے......"

کافی کا دور چل چکا اور ملازم برتن اٹھا کر لے جا چکا تو عالیہ اچانک بولی۔ "انکل! آپ کو پستول چلانا آتا ہے؟"

اس نے اتنی سادگی سے یہ سوال کیا تھا کہ ڈاکٹر معین بے ساختہ مسکرا دیئے۔

"کیوں...... خیریت؟" انہوں نے دلچسپی آمیز لہجے میں پوچھا۔

"میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے بھی پستول استعمال کرنا سکھا دیں"۔ عالیہ نے نہایت سنجیدگی سے کہا اور اپنا ہینڈ بیگ کھول کر چپٹا سا ایک پستول نکال کر میز پر رکھ دیا۔

ڈاکٹر معین چند لمحے خاموشی سے پستول کی طرف دیکھتے رہے پھر شگفتہ لہجے میں بولے۔ "تمہارا مطلب ہے کہ میں اپنے اسی آراستہ و پیراستہ دفتر میں تمہیں نشانے بازی کی مشق شروع کرا دوں؟"

"نہیں...... میرا یہ مطلب نہیں ہے"۔ عالیہ قدرے جھینپ کر جلدی سے بولی۔ "میں یہ نہیں چاہتی کہ آپ مجھے باقاعدہ شوٹنگ اور صحیح نشانہ لگانا سکھائیں۔ بلکہ...... میرا مطلب ہے کہ آپ صرف دو ایک ضروری اور بنیادی باتیں بتا دیں جس کے بعد میں ضرورت پڑنے پر صرف گولی چلا سکوں۔ خواہ وہ نشانے پر لگے یا نہ لگے...... بس اتنا ہو جائے کہ پستول چلانے کی کوشش میں خود اپنے آپ کو زخمی نہ کر بیٹھوں...... اور سامنے والے کو یہ اندازہ ہو جائے کہ میں اس ہتھیار کو استعمال کر سکتی ہوں"۔

"یہ پستول تم نے لیا کہاں سے؟" ڈاکٹر معین نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"منیر کا ہے...... لائسنس بھی ہے اس کے پاس اس کا......" عالیہ جلدی سے گویا صفائی پیش کرتے ہوئے بولی۔ "اس کے علاوہ منیر کے پاس ایک رائفل بھی ہے...... یہ میں نے اسٹڈی میں اس کی میز کی دراز سے نکالا ہے"۔

"تو پھر تم نے اس سے چلانا کیوں نہیں سیکھا؟"

عالیہ ایک لمحے خاموشی سے ان کی طرف دیکھتی رہی پھر دھیمے لہجے میں بولی۔ "آپ اس سوال کے جواب سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔ شک کا جو سانپ میرے ذہن میں رینگ رہا ہے اس سے آپ بے خبر نہیں ہیں۔ منیر ہی سے تو میں یہ بات خفیہ رکھنا چاہتی ہوں کہ میں اپنی حفاظت کے لئے کوئی ہتھیار اٹھانے کا حوصلہ بھی کر سکتی ہوں۔ اس کے سامنے تو میں وہی نرم و نازک اور بے بس عالیہ رہنا چاہتی ہوں جو انتہائی معمولی خطرے کا سامنا کرنے کے لئے بھی اس کے مضبوط بازوؤں کی محتاج ہے"۔

ڈاکٹر معین نے ایک طویل ہنکارا بھرا اور پُرخیال انداز میں چند لمحے خاموشی سے عالیہ کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر وہ بہت نیچی آواز میں بولے۔ "عالیہ! شک کا جو سانپ تمہارے ذہن میں رینگ رہا ہے اس کے بارے میں تم نے مجھے آگاہ کر کے بہت اچھا کیا۔ میں نے بہت ہی معتبر ذرائع سے معلومات کرائیں لیکن افسوس کہ ہم اب بھی بے یقینی اور شک کے ملگجے اندھیروں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ بات واضح نہیں ہو سکی۔ وہ جو قادر بخش مالی کا لڑکا تھا نا...... واحد بخش...... اس کے بارے میں جو کچھ معلوم ہو سکا ہے وہ

میں تمہیں بتاتا ہوں......" انہوں نے وہ تمام باتیں عالیہ کو بتائیں جو انہیں اپنے ایڈیٹر دوست محسن کی وساطت سے معلوم ہوئی تھیں۔ اس دوران عالیہ کی آنکھوں میں خوف کے سائے گہرے ہوتے رہے۔

آخر میں ڈاکٹر معین گہری سانس لے کر کرسی کے پشتے سے ٹیک لگاتے ہوئے بولے۔ "گویا یہ بعد بعید از امکان نہیں ہے کہ مالی کا وہ بیٹا برسوں کی طویل حکمت عملی کے تحت نام بدل کر تمہاری زندگی میں داخل ہو گیا ہو...... عین ممکن ہے کہ اس کا مسخ شدہ ذہن صرف اس صورت حال کو بھی اپنے انتقام کی تعبیر سمجھ کر مطمئن رہے کہ تم اس کی بیوی بن چکی ہو...... اور اس کے حکم کی پابند ہو...... اور تمہارے ہی سر پر وہ عیش و عشرت کی زندگی گزار رہا ہے۔ شاید وہ اسے ہی کافی سمجھے...... یہ بھی انتقام کا ایک حسین اور لذت بخش انداز ہے لیکن ہم بھیانک حقائق سے نظر نہیں چرا سکتے...... کوئی بعید نہیں کہ یہ اس کے انتقام کا پہلا مرحلہ ہو...... دوسرا یا آخری مرحلہ اس کے ذہن میں نہ جانے کیا ہو...... میں تمہیں خوفزدہ کرنے کی کوشش نہیں کر رہا۔ صرف خبردار کرنا چاہ رہا ہوں۔ بے خبری میں انسان زیادہ نقصان اٹھاتا ہے"۔

"مجھے آپ پر اعتماد ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ جو بھی بات کریں گے میری بھلائی کے لئے ہی کریں گے۔ اسی لئے تو میں یہ پستول لے کر آپ کے پاس آئی ہوں میرا اور کوئی بھی رازداں نہیں...... مجھے نہیں معلوم کہ میں کس پر اعتماد کر سکتی ہوں اور کس پر نہیں...... لیکن پاپا کے بعد اگر زندگی میں مجھے کسی پر مکمل بھروسہ ہوا ہے تو وہ آپ ہیں......" اس کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی۔

"میری پوری پوری کوشش ہوگی کہ تمہارے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہ لگنے دوں"۔ ڈاکٹر معین نے خلوص سے کہا...... پھر ایک لمحے کے توقف سے وہ بولے...... "یہ تمہیں پستول منیر کی میز کی دراز سے نکالنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟"

"اب تک میں بھیانک موت کے خطرے کو دوسری نامعلوم لڑکیوں کی طرف بڑھتے ہوئے محسوس کرتی تھی...... کبھی قبل از وقت اور کبھی عین وقت پر...... لیکن اب میں خطرہ اپنی طرف بڑھتے ہوئے محسوس کر رہی ہوں...... بلکہ گزشتہ رات تو ایک خواب نے مجھے بتایا کہ نامعلوم درندہ صفت قاتل نے میرے قتل کے لئے ایک مخصوص رات کا بھی تعین کر لیا ہے...... اس نے بالآخر مجھے ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کر لیا ہے"۔ تمامتر خود اعتمادی کے باوجود اس کے لہجے میں ہلکی سی لرزش آ گئی۔

"کب؟" ایک لمحے کے توقف کے بعد ڈاکٹر معین نے پوچھا۔

"کچھ زیادہ وقت باقی نہیں ہے......." عالیہ کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ میں نے خواب سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے اس کے مطابق وہ کل رات کسی وقت مجھے ایک عبرت انگیز انجام سے دوچار کرنے کے لئے سامنے آئے گا"۔

ایک لمحے کے لئے کمرے میں مکمل سکوت چھا گیا دفعتہً ڈاکٹر معین کو جیسے کچھ خیال آیا اور انہوں نے میز پر جھکتے ہوئے پوچھا........ "عالیہ! تم نے کبھی منیر کے ماضی کو کریدنے کی کوشش نہیں کی؟ وہ کون ہے........ کہاں سے آیا ہے؟"

"کرچکی ہوں کوشش........" عالیہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی........ "وہ بہت سرسری اور جان چھڑانے کے سے انداز میں بتاتے ہیں کہ انہوں نے ایک گاؤں میں پرورش پائی ہے........ لڑکپن میں ہی نوکری کی تلاش میں کراچی آگئے تھے۔ ماں باپ اسی زمانے میں مرگئے تھے۔ کراچی میں انہوں نے کافی مصیبتیں اٹھائیں۔ طرح طرح کی پُرصعوبت نوکریاں کیں' محنت مزدوری کی' میٹرک تک انہوں نے تعلیم حاصل کی تھی........ بس پھر ذاتی شوق اور لگن کی وجہ سے وہ رفتہ رفتہ صحافت میں داخل ہوگئے........ اور ابھی خاصی نچلی سطح پر ہی تھے کہ مجھ سے ملاقات اور پھر شادی ہوگئی........ بس یہ ہے کُل کہانی"۔

"تم نے کسی ذریعے سے اس کہانی کی تصدیق کی کوشش نہیں کی؟"

"میں ڈرتی تھی کہ اگر انہیں معلوم ہوگیا یا شبہ بھی ہوا تو ان کا ردِعمل نہ جانے کیا ہو........ وہ سمجھیں گے کہ میں ان کی طرف سے بدگمانی کا شکار ہو رہی ہوں۔ میری ازدواجی زندگی کسی ناگواری سے دوچار ہوسکتی تھی۔ بہرحال جس اخبار میں' میں نے انہیں آخری بار کام کرتے دیکھا تھا وہاں ایک بار ان کی عدم موجودگی میں سرسری انداز میں معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ وہاں وہ بہت ہی معمولی تنخواہ پر بطور پروف ریڈر آئے تھے........ اور اس وقت انہیں پروف ریڈنگ تو کیا' درحقیقت کچھ بھی نہیں آتا تھا........ لیکن اس اخبار کو چونکہ وسائل کی کمی کی وجہ سے کم سے کم تنخواہ والے ملازمین کی ضرورت ہوتی تھی اس لئے انہوں نے منیر کو برداشت کیا۔ منیر بہت جلد ہی اپنی شدید محنت اور لگن کی وجہ سے سب کچھ سیکھتے چلے گئے اور ایک سے دوسرے شعبے میں داخل ہوتے چلے گئے۔

حتیٰ کہ آڑے وقت میں وہ دس بیس سطریں کتابت بھی کر دیتے تھے........ پھر رفتہ رفتہ وہ رپورٹنگ میں آگئے اور ایک دن اس اخبار کے ایڈیٹر کے بعد دوسرے اہم ترین آدمی بن گئے........ اتفاق سے ایڈیٹر' اخبار کا مالک بھی تھا ورنہ شاید منیر ہی اس کی کرسی پر ہوتے........ اس اخبار میں آنے سے پہلے منیر کیا تھے' کیا کرتے تھے' کہاں سے آئے تھے'

اس بارے میں انہیں کچھ معلوم نہیں تھا۔ جو تھوڑی بہت معلومات تھیں وہ بھی ان کے حافظے سے محو ہوچکی تھیں۔ انہیں بس یہی محسوس ہوتا تھا جیسے منیر ہمیشہ سے وہاں ہیں........ جب ہماری شادی ہوئی تو اخبار کے ایڈیٹر اور مالک نے ہنستے ہوئے کہا تھا کہ میں ان کے اخبار کی بنیادی اینٹ اکھاڑ کرلے جارہی ہوں........"

ڈاکٹر معین نے ایک بار پھر ہنکارا بھرا اور سوچ میں ڈوب گئے۔ ایک لمحے کے بعد وہ عالیہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولے........ "کل رات کے بارے میں تمہارا وجدان پُریقین ہے؟"

"ہاں........ میری غیبی قوتیں مجھے احساس دلا رہی ہیں کہ کل کی رات میری زندگی کی آخری رات ہوسکتی ہے"۔ عالیہ نے بہت دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"یعنی شک کا پہلو باقی ہے؟" ڈاکٹر معین نے تصدیق چاہی۔

شک کا پہلو تو ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ مکمل اور یقینی علم تو خدا کے سوا کسی کو نہیں ہوسکتا........" عالیہ........ جھرجھری سی لے کر بولی........ "اگر آپ کو پستول کے استعمال کے بارے میں کچھ معلوم ہے تو مجھے بتا دیجئے"۔

"وہ تو میں بتا دیتا ہوں........" ڈاکٹر معین پستول اٹھا کر اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولے۔ "یہ دیکھو یہ جو ننھا سا چوکور بٹن سا نظر آرہا ہے اسے لاک یا سیفٹی کیچ کہتے ہیں۔ اسے دبانے سے سیفٹی کیچ ہٹ جاتا ہے اور پستول فائر کرنے کی حالت میں آجاتا ہے۔ صرف ٹریگر دبانے کی دیر ہوتی ہے........" پھر انہوں نے میگزین نکال کر دکھایا........" اسے کلپ کہتے ہیں........ اس میں پوری چھ گولیاں موجود ہیں۔ یعنی یہ پستول لوڈڈ ہے........ کلپ اس طرح دوبارہ دستے کی طرف سے اندر ڈالا جاتا ہے........ فائر کرتے وقت ہاتھ کو ہلکا سا جھٹکا لگتا ہے جو شاید تمہیں خاصا زوردار محسوس ہو۔ اس کی وجہ سے گولی عین نشانے پر نہیں لگتی چنانچہ جہاں گولی مارنا مقصود ہوتی ہے' نشانہ اس سے ذرا نیچے کا لیا جاتا ہے........"

"بس........ بس........ اتنا ہی کافی ہے........" عالیہ پستول واپس لے کر ہینڈ بیگ میں ڈالتے ہوئے طمانیت سے بولی۔

"لیکن تم محض یہ ننھا سا پستول اپنے پاس رکھ کر یہ مت سمجھو کہ تم نے اپنے بچاؤ کا انتظام کرلیا ہے"۔ ڈاکٹر معین بولے........ "یہ کوئی مناسب طریقہ نہیں ہے۔ تمہیں پولیس کی مدد حاصل کرنی چاہئے"۔

"ہمارے علاقے کی پولیس مجھ سے کچھ برگشتہ سی ہوگئی ہے۔ میری پیشگوئی کرنے

کی صلاحیتوں پر سے ان لوگوں کا اعتبار کچھ اٹھ سا گیا ہے اس لئے شاید وہ میری بات کو
کچھ زیادہ اہمیت نہ دیں' عالیہ نے بتایا"۔

"کیوں...... کیا ہوا؟"

"میں نے پرسوں ہی انہیں بتایا تھا کہ کلفٹن کے ایک اور پرانے مکان کے سامنے
ویران سڑک پر دو لڑکیوں کا ہولناک قتل ہوگا۔ وہ کار میں وہاں سے گزریں گی اور عین
اس ویران مکان کے سامنے ان کی گاڑی خراب ہو جائے گی۔ وہیں جنونی قاتل جھاڑیوں
کی اوٹ سے نکل کر انہیں قتل کر دے گا"۔

"اچھا...... پھر کیا ہوا؟" ڈاکٹر معین نے دلچسپی سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ بہت سے پولیس والے اِدھر اُدھر چھپ کر' گھات لگا کر بیٹھے......
گاڑی واقعی وہاں سے گزری۔ اس میں دو لڑکیاں نہیں' صرف ایک لڑکی اور اس کی ماں
تھی"۔ گاڑی واقعی خراب ہوئی لیکن کچھ دیر کی کوشش کے بعد ٹھیک ہوگئی اور وہ
رخصت ہوگئیں۔ اس دوران قاتل کہیں سے برآمد نہیں ہوا۔ پولیس نے کافی دیر انتظار
کیا پھر اِدھر اُدھر کا علاقہ چھان مارا...... مگر وہاں کوئی مشکوک آدمی نظر نہیں آیا"۔

"پھر بھی تمہاری پیشگوئی آدھی تو درست ثابت ہوئی"۔ ڈاکٹر معین بولے۔

پولیس نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی...... ان کے تو بس قاتل ہاتھ آتا تب
وہ قائل ہوتے"۔ عالیہ بولی۔

"ویسے تمہاے خیال میں پیشگوئی غلط ہونے کی کیا وجہ رہی؟"

"قاتل کو احساس ہوگیا تھا کہ کچھ لوگ اس کی گھات میں حتیٰ کہ میں اور منیر بھی
اس متوقع جائے واردات کے قریب موجود تھے۔ اس نے ادھر کا رخ ہی نہیں کیا"۔ عالیہ
نے بتایا۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد ڈاکٹر معین بولے...... "بہرحال...... اگر تم اپنی
حفاظت کے لئے پولیس کی مدد طلب کرو تو وہ لوگ انکار تو نہیں کر سکتے......"

"جی ہاں...... خواہ بے دلی سے ہی سہی' لیکن وہ کچھ نہ کچھ انتظام ضرور کریں گے
مگر میں ایسا نہیں چاہتی...... یہ ایک بار پھر قاتل کو خبردار کر دینے والی بات ہوگی۔ وہ
میرے قریب نہیں پھٹکے گا اور ایک بار پھر اندھیرے میں چھپا رہ جائے گا...... میں اس کی
شکل دیکھنے کے لئے مری جا رہی ہوں۔ اب میرے اعصاب میں مزید برداشت کی قوت
نہیں رہی...... ویسے بھی اب اس ہولناک اور مجنونانہ خونریزی کا سلسلہ بند ہونا
چاہئے"۔ عالیہ کا لہجہ اس کی بلند حوصلگی کا مظہر تھا۔

خواہ اس کے لئے تمہیں اپنی جان پر کھیلنا پڑے؟"

"ہاں...... خواہ اس کے لئے مجھے اپنی جان پر کھیلنا پڑے"...... عالیہ مضبوط لہجے
میں بولی...... "کسی نیک مقصد کے لئے بعض اوقات کسی نہ کسی کو اپنی جان داؤ پر لگانی
پڑتی ہے"۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ڈاکٹر معین خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔



وہ ایک سرد' نامہرباں اور اداس کر دینے والی رات تھی۔ ہوا درختوں کے درمیان
سرسراتی تو پتے گویا آہیں بھرتے تھے' سسکیاں لیتے تھے۔ گلی کوچوں میں جھانکتے ہوئے
خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔ کہر نے ہر چیز کو دامن میں چھپایا ہوا تھا سردی بھی غضب کی
تھی۔ چند گز کے فاصلے کی چیز بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ کراچی میں ایسی سردی اور
ایسی کہر شاذونادر ہی پڑتی تھی۔ برسوں میں شاید ایک آدھ بار......

لیکن اس سے پہلے اگر ایسی راتیں آئی بھی تھیں تو منیر نے اپنے دل میں ایسی عجیب
سی اداسی اور بے عنوان خوف کی یہ لہر ابھرتی محسوس نہیں کی تھی جو آج اس کے
محسوسات کی دنیا کو تہ و بالا کئے دے رہی تھی۔ وہ ایک سخت دل آدمی تھا چھوٹی موٹی باتوں
سے تو کیا' بڑی بڑی باتوں سے بھی جلدی متاثر نہیں ہوتا تھا مگر اس کے دل کا ایک گوشہ
بہت نازک تھا۔ جس طرح بعض حادثوں کا شکار ہونے والوں کا پورا وجود بظاہر ٹھیک نظر
آتا ہے لیکن کوئی ایک جگہ' کوئی ایک عضو بے پناہ دکھتا ہے' اسی طرح منیر کے دل کا ایک
گوشہ بھی بہت حسّاس تھا۔

شاید یہی اس کے محسوسات کی محدود سی دنیا تھی۔ شاید یہیں محبتیں پلتی تھیں اور
شاید یہیں خلوص کا درد بسیرا کرتا تھا...... اور آج اسی گوشہ دل میں ہلچل سی برپا تھی۔ ایسا
لگتا تھا جیسے کوئی انجانا اور غیر مرئی ہاتھ اس کے دل کو مٹھی میں لینے کے لئے بڑھ رہا تھا۔
وہ شاذونادر ہی اداسی محسوس کرتا تھا لیکن آج وہ اداس بھی تھا۔ شام وہ ایک رنگارنگ
پارٹی میں گیا تھا اور اس کا خیال تھا کہ وہ رات کے کم از کم ایک بجے تک وہاں مصروف
رہے گا لیکن وہاں بھی اس کا دل نہیں لگا تھا اور وہ گیارہ سے بھی پہلے وہاں سے نکل آیا
تھا۔ گیارہ بجے ہی شہر کی بڑی شاہراہوں تک پر سناٹا چھا گیا تھا جو اکا دکا گاڑیاں دکھائی بھی
دے رہی تھیں وہ کہر کی وجہ سے نہایت سست رفتاری سے چل رہی تھیں...... لوگ گھر
پہنچنے کے لئے بے چین ضرور تھے مگر شاید منیر کی طرح اداس' مضطرب اور خوفزدہ کوئی
نہیں تھا۔

وہ گھر پہنچا تو عالیہ نے بھی اس کا استقبال قدرے سرد اور اُکھڑے اُکھڑے سے انداز

میں کیا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ چند دن سے عالیہ کا رویہ اس کے ساتھ بدلا بدلا سا تھا۔ اس کے انداز و اطوار میں وہ گرمجوشی نہیں رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ منیر کی قربت سے بچنے کی کوشش کرتی تھی۔ منیر نے دنیا میں جسے سب سے زیادہ چاہا تھا' جس کی طلب میں وہ ہر پل دیوانہ رہتا تھا اور جو چند دن پہلے تک اس پر جاں نثار کرتی تھی' اس کی خاطر جیتی تھی' وہ شریک حیات بھی نہ جانے کیوں اس سے دامن بچانے لگی تھی' نظر چرانے لگی تھی۔ ابھی منیر نے اس موضوع پر عالیہ سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ خاموشی سے صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا۔ اپنے طور پر مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

آج بھی اس نے بیڈ روم میں جب عالیہ کی سرد مہری کو محسوس کیا تو بات کرنے کا ارادہ کیا مگر پھر کچھ سوچ کر ملتوی کر دیا اور اٹھ کر سٹڈی روم میں چلا آیا۔ عالیہ سے اس نے یہی کہا تھا کہ اس کا کچھ لکھنے کا کام کرنے کو جی چاہ رہا ہے' شاید اسے دیر لگ جائے' عالیہ کا اگر جی چاہے تو سو جائے........ شاید وہ یہی چاہتی تھی۔ منیر نے اپنی دانست میں بہ زبانِ خموشی اس کی خواہش کا احترام کیا تھا اور اپنی اداسی کو سینے میں چھپائے اسٹڈی میں چلا آیا تھا۔ میز پر بیٹھ کر وہ بے مقصد سے انداز میں الٹے سیدھے نقشے بنانے لگا تھا........ یہ اس کا مشغلہ تھا........ جب اسے اپنا ذہن بٹانا ہوتا تھا تو وہ الٹے سیدھے' ٹیڑھے میڑھے نقشے بنانے لگتا تھا۔ مکانوں کے' سڑکوں کے' شہروں کے نقشے........ جیسے بھی بن پاتے' بناتا رہتا پھر کاغذوں کو چر مُر کر کے ردی کی ٹوکری میں پھینکتا رہتا۔

اس وقت وہ اپنے اسی مشغلے میں منہمک تھا جب اچانک اسٹڈی کا دروازہ کھلا اور اس نے چونک کر سر اٹھایا........ اس کا خیال تھا کہ شاید کچھ سوچ کر عالیہ اسے بلانے آگئی ہو مگر دروازے پر عالیہ کے بجائے اس کے بھائی عامر کو دیکھ کر اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔ عامر کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار نمودار ہوئے تھے شاید اسے بھی اسٹڈی میں منیر کی جگہ کسی اور کی موجودگی کی توقع تھی۔

"یہ تم اچانک یہاں کیسے؟" منیر سنبھلتے ہوئے بولا........ "تم تو لاہور گئے ہوئے تھے........ بلکہ جب میں گھر آیا تو عالیہ نے بتایا تھا کہ کچھ ہی دیر پہلے لاہور سے تمہارا فون آیا تھا........ اور تم نے میری خیروعافیت بھی پوچھی تھی........ شاید ازراہِ تکلف........"

"ہاں........" عامر نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ "اور عالیہ نے بتایا تھا کہ ایک بجے سے پہلے تمہاری واپسی کی توقع نہیں........ مگر تم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہو!"

"میرا پارٹی میں دل نہیں لگا۔ جلدی واپس آگیا........" منیر سادگی سے بولا پھر اس کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔ "لیکن تم لاہور سے اتنی جلدی کیسے یہاں پہنچ گئے........ اور گھر

میں تمہارے آنے کا بھی پتا نہیں چلا........ نہ بیل ہوئی........ نہ کسی نے جا کر گیٹ کھولا........؟"

"میں نے سوچا اب اس وقت کسی کو کیا تکلیف دوں بڑے گھروں میں داخل ہونے کے اور بھی کئی راستے ہوتے ہیں۔ وہی لاہور والی بات۔ تو میرا خیال ہے تمہیں یہ بتا دینے میں کوئی حرج نہیں کہ میں لاہور گیا ہی نہیں تھا۔ میں تو ایک دن کے لئے بھی کہیں نہیں گیا۔ یہیں تھا۔ بس ذرا شکل چھپائی ہوئی تھی"۔ وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ منیر کو احساس ہوا کہ وہ دروازہ اپنے عقب میں مقفل کر کے کمرے کے وسط میں پہنچ چکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی جو منیر نے اس سے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔

"کیوں چھپائی ہوئی تھی شکل؟" منیر نے قدرے کھردرے لہجے میں پوچھا۔

عامر نے گویا اس کے سوال کا جواب دینے کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی اور اس کے عین قریب آن کھڑا ہوا۔ "کیا بنا رہے ہو؟" وہ میز پر بکھرے ہوئے کاغذوں کا جائزہ لیتے ہوئے سرسری لہجے میں بولا۔ منیر نے بھی اس کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ ایک نڈر آدمی تھا لیکن اس وقت نہ جانے کیوں اس کے جسم میں خوف کی سنسنی سی دوڑ رہی تھی۔ غیرمحسوس طور پر اس نے منیر کی وہ دراز کھولی جس میں اس کا لوڈڈ پستول پڑا رہتا تھا۔ اس وقت وہ اس کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اس کی کوئی نامعلوم حس اسے احساس دلا رہی تھی کہ عامر کے جسم سے شاید کوئی عجیب غیرمرئی لہریں سی خارج ہو رہی ہیں جو کسی شیطانی قوت کی نشاندہی کرتی تھیں۔ اس نے دراز اسی انداز میں کھولی تھی جیسے کوئی پین یا پنسل تلاش کرنے لگا ہو۔ وہ عامر کو چوکنا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس کا دل ڈوب گیا۔ دراز سے پستول غائب تھا۔ غیرارادی طور پر اس نے دوسری دراز کھولی اور اس لمحے اس کی نظر عامر سے ہٹ گئی۔ یہی اس کی غلطی تھی۔

عامر اس وقت شلوار قمیض میں تھا۔ بجلی کی سی پھرتی سے اس کا ہاتھ نیفے کی طرف گیا۔ اس سے پہلے کہ منیر اس کی طرف دیکھتا اور سنبھلتا یا کرسی سے اٹھتا' اس کے قریب جھلملاہٹ سی ہوئی اور دوسرے ہی لمحے دس انچ لمبا' خنجری پھل اس کی پسلیوں میں اتر گیا۔ سر سے پاؤں تک درد کا ایک ناقابل بیان ریلا گویا اس کی ہر رگ جاں سے گزر گیا۔ اس نے چیخنا چاہا مگر آواز اس کے حلق سے نہ نکلی اس نے مزاحمت کے لئے کرسی سے اٹھنا چاہا مگر شاید عامر کو بھی اچھی طرح احساس تھا کہ منیر ایک جاندار آدمی ہے۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر خنجر اس کی پسلیوں سے کھینچا اور دوبارہ پیٹ میں گھونپ دیا۔ منیر کو

یہی محسوس ہوا جیسے اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے اس کی آنکھوں کی سامنے اندھیرا چھاگیا۔ وہ کرسی سے گرنے لگا تو عامر نے تیسری بار اس کے پیٹ میں خنجر گھونپ دیا۔

منیر اوندھے منہ قالین پر گرا اور ساکت ہوگیا۔ اس کے جسم کا ریشہ ریشہ اذیت میں تھا مگر اس کا ذہن پھر بھی کچھ نہ کچھ کام کر رہا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ اگر وہ حرکت کرنے کی کوشش کرے گا تو عامر خنجر کے وار کرتا رہے گا۔ اس وقت مُردہ بن جانا ہی بہتر تھا۔ وہ ساکت ہی رہا۔ اس نے اپنے قریب ہی عامر کی ہنسی کی آواز سنی۔ عجیب سی ہنسی تھی۔ دیوانگی اور درندگی آمیز ہنسی۔ آواز بلند نہیں تھی مگر رونگٹے کھڑے کر دینے والی تھی۔

منیر کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ رہے تھے مگر اس نے محسوس کیا کہ دروازہ کھلا تھا اور عامر کمرے سے چلا گیا تھا۔ منیر کو یقین تھا کہ وہ بیڈروم کی طرف گیا ہوگا جہاں عالیہ موجود تھی۔ اس نے اٹھنا چاہا مگر اسے احساس ہوا کہ اس کے جسم سے جان سی نکل چکی تھی۔ اس کے اعضاء اس کے ارادوں کے تابع نہیں رہے تھے۔ خون اس کے جسم سے بھل بھل کرکے بہہ رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی زندگی دھیرے دھیرے رخصت ہو رہی تھی۔

اس کے پیٹ کا زخم دھیرے دھیرے پھیل رہا تھا۔ اسے اندیشہ محسوس ہوا کہ اس کی آنتیں اس شگاف کے راستے نہ نکل پڑیں۔ اس نے زخم پر حتی الامکان سختی سے ہاتھ رکھ لیا اور گھٹنوں کے بل اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کی نظروں کے سامنے کمرے کا منظر کبھی ڈوبتا تھا' کبھی ابھرتا تھا۔ وہ گویا اذیت کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا۔ وہ کسی طرح گھسٹ گھسٹ کر ایک لماری تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اس الماری میں اس کی رائفل رکھی ہوئی تھی۔ رائفل نکالنا اور پھر بیڈروم تک پہنچنا......... اس وقت اس کے لئے یہ پُل صراط کا سفر بن گیا تھا۔ مگر وہ اپنی تمام قوت ارادی......... اپنی بچی کھچی سانسیں مجتمع کرکے یہ سفر طے کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے وہ اپنے زخم پر ہاتھ رکھے دو گھٹنوں اور ایک کہنی کے بل کسی نیم مُردہ کیچوے کی طرح رینگتا رہا.........

○---------☆---------○

عامر نے ہلکی سی ٹھوکر سے بیڈروم کا دروازہ کھولا تو وہاں گھُپ اندھیرا تھا۔ نائٹ بلب بھی روشن نہیں تھا۔ یہ اس کے لئے قدرے تعجب کی بات تھی۔ خنجر اس کے ہاتھ میں تھا اور اس کی رگ و پے میں ایک عجیب سی لذت اور سرشاری کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ اسے قطعاً امید نہ تھی کہ منیر کو قتل کرنے میں اسے ان تمام لڑکیوں کے قتل سے

کہیں زیادہ لذت محسوس ہوگی جو آج تک اس کی درندگی کی بھینٹ چڑھی تھیں۔

دفعتہ" اندھیرے میں عالیہ کی آواز گونجی۔ "مجھے معلوم تھا تم میرے سونے کا انتظار کرو گے منیر! اور تم اب یہی سوچ کر آئے ہو کہ میں سو چکی ہوں۔ لیکن میں جاگ رہی ہوں اور تمہارے استقبال کے لئے تیار ہوں۔ مجھے معلوم تھا کہ آج فیصلے کی رات ہے........" اس کی آواز میں ہلکا سا ارتعاش تھا جسے چھپانے کی وہ پوری کوشش کر رہی تھی۔

"تو وہ مجھے منیر سمجھ رہی ہے........ چلو یہ تو اور بھی اچھی بات ہے........' عامر یہ سوچتے ہوئے اندھیرے میں مسکرا دیا۔ مگر دوسرے ہی لمحے وہ روشنی میں نہا گیا۔ عالیہ نے بڑی لائٹ آن کردی تھی۔ وہ سوئچ بورڈ کے قریب ہی کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چپٹا سا پستول تھا۔ عامر دروازے پر ہی جم کر رہ گیا تاہم اس کے سکون و اطمینان میں کوئی فرق نہ آیا۔

عامر کو دیکھ کر........ اس کے ہاتھ میں خون آلود خنجر دیکھ کر........ اور اس کی آنکھوں میں ناچتی ہوئی ایک ناقابل بیان سی شیطانیت اور درندگی کو دیکھ کر عالیہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کا پستول والا ہاتھ پہلے ہی ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ اب بُری طرح کانپ کر رہ گیا اور پستول اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔

"سوری سسٹر! آج واقعی فیصلے کی رات ہے"۔ عامر خباثت بھرے انداز میں مسکرایا۔ اس کا دلکش چہرہ' پُرکشش نقوش' سب کچھ گویا اس وقت بدلا ہوا تھا۔ کسی طلسماتی سے عمل سے گویا اس کی شخصیت بدل کر رہ گئی تھی۔ اس وقت اسے دیکھ کر خوف آ رہا تھا۔

وہ گویا ایک ایک لفظ سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا "بالآخر مجھے تمہارے قتل کا فیصلہ کرنا ہی پڑا پیاری بہن! میرا تمہیں ہلاک کرنے کو دل نہیں چاہ رہا لیکن میں مجبور ہوں۔ کیونکہ دن بدن دھیرے دھیرے تم میری اصل شخصیت کے قریب پہنچ رہی تھیں۔ صرف تم ہی ایک ایسی ہستی ہو جو جلد یا بدیر مجھے بے نقاب کرسکتی ہو........ اور مجھے معلوم ہے تم میرے اس روپ سے آگاہ ہو جانے کے بعد مجھے کیفر کردار تک پہنچانے میں کوئی رعایت نہیں کرو گی۔ اس لئے اب تمہارا راستے سے ہٹ جانا بہت ضروری ہے........" اس نے خنجر کو کھلونے کی طرح انگلیوں میں گھمایا۔

"تم........ تم واقعی عامر ہو؟ میرے بھائی........؟" عالیہ کے حلق سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔ "وہ تم ہی ہو جس نے اب تک اتنی بہت سی حسین اور بے گناہ لڑکیوں کو

مجنونانہ انداز میں قتل کیا؟“

”لیس سسٹر!“ عامر کھرکھراتی ہوئی سی آواز میں بولا۔ اس کی شخصیت کی طرح اس وقت اس کا لہجہ بھی بالکل بدل ہوا تھا...... ”صرف درمیان میں ایک وہ احمق سا شخص معلوم نہیں کہاں سے آگیا تھا جس نے ڈیفنس کے اس پرانے اور ویران مکان میں اس اکیلی عورت کو قتل کیا تھا اور جو تمہاری رہنمائی میں پولیس کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس واقعہ میں اے ایس آئی رب نواز بھی اس کے ہاتھوں زخمی ہوگیا تھا اس مہم میں‘ میں بھی تم لوگوں کے ساتھ تھا۔ وہ شاید اس گھر کا کوئی پرانا نوکر رہا ہو اور اس نے کسی پرانی بات کا انتقام لیا ہو۔ بس وہی میرے طریقۂ واردات سے ملتا جلتا قتل کا ایک کیس درمیان میں آگیا۔ ورنہ اس سے پہلے اور اس کے بعد جتنی بھی حسین لڑکیوں کو اس انداز میں قتل کیا گیا وہ تمہارے اس پیارے بھائی کا ہی کام تھا......“

”لعنت ہو تم پر۔ مت کہو اپنے آپ کو میرا بھائی“۔ عالیہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ اس کا جسم بھی ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

”اس میں بُرا منانے کی کیا بات ہے سسٹر!“ عامر شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ”یہ تو قدرت کے کھیل ہیں۔ ایک ہی گھر میں‘ ایک ہی ماں باپ سے دو بچے جنم لیتے ہیں۔ ایک کے اندر کوئی نیک روح ہوتی ہے اور دوسرے میں کوئی شیطانی روح...... یہ جو لوگ اور ماہرین نفسیات باتیں کرتے ہیں نا کہ ماحول اور تربیت انسان کو یہ بنا دیتی ہے...... میں اس پر یقین نہیں رکھتا۔ انسان جو کچھ ہوتا ہے پیدائشی طور پر ہی ہوتا ہے۔ اپنی فطرت ساتھ لے کر آتا ہے۔ جس طرح سب کی شکلیں اور نین نقش الگ ہوتے ہیں اسی طرح سب کی فطرت بھی الگ ہوتی ہے۔ جس کے وجود میں شیطان اترا ہوا ہوتا ہے اسے کوئی بھی ماحول ولی نہیں بنا سکتا‘ اور جسے نیک روح نصیب ہوتی ہے اسے دنیا کے سب بُرے لوگ مل کر بھی بُرا نہیں بنا سکتے...... باقی سب باتیں بیکار ہیں“۔

”یعنی ہمارے گھر میں شروع ہی سے ایک شیطان پل رہا تھا اور ہمیں علم نہیں تھا......؟“ عالیہ کے لہجے میں سوال نہیں‘ زندگی بھر کا تاسف تھا۔

”بے شک...... وہ جو ہمارے پالتو جانور بُری حالت میں مرے ہوئے ملتے تھے...... کسی کی آنکھیں نکلی ہوئی...... کسی کی آنتیں نکلی ہوئی...... انہیں میں ہی تو مارتا تھا......“ عامر نے گویا چٹخارے لیتے ہوئے اپنے ”کارنامے“ یاد دلانے کی کوشش کی۔ ”اور پندرہ سال کی عمر میں‘ میں نے پہلی لڑکی کو قتل کیا تھا۔ شاید تمہیں یاد ہو ہماری گلی کے نکڑ پر مسجد کی دیوار کے قریب سکینہ نامی ایک نوجوان نوکرانی کی لاش ملی تھی۔ وہ کوئی

سودا لے کر آ رہی تھی کہ لائٹ چلی گئی اور اندھیری گلی میں کسی نے......“ وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر شیطانی انداز میں مسکرایا۔ ”میرے اندر کوئی چیز ہے...... کوئی طاقت ہے جو مجھے اس پر اکساتی ہے“۔

”اور اب تم مجھے بھی مارو گے...... منیر کو بھی تم نے مار دیا ہے؟“ عالیہ کی آواز سرگوشی سے بلند نہیں تھی۔

”مجبوری ہے سسٹر! یہ بقا کا سوال ہے۔ اگر تم زندہ رہو گی تو جلد ہی میری موت یقینی ہے“۔ وہ خنجر گھماتا اور مسکراتا آگے بڑھا جیسے کوئی سرجن ضروری آپریشن کرنے آپریشن ٹیبل کی طرف جا رہا ہو۔

”رک جاؤ...... ورنہ میں گولی مار دوں گی......“ عالیہ چیخنا چاہتی تھی مگر ایک عجیب سی دہشت کے باعث اس کے حلق سے بیٹھی بیٹھی سی آواز نکل رہی تھی۔

”تم مجھے مار نہیں سکتیں ڈیئر سسٹر! ساری زندگی تم نے مجھ سے پیار کیا ہے۔ اب کیسے مجھ پر گولی چلا سکتی ہو؟ ویسے بھی تم ایک نیک روح ہو...... یہ گولی وغیرہ چلانا...... خون بہانا...... یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے......“ اس کے لہجے میں بے پناہ اعتماد تھا اور عالیہ ڈوبتے دل کے ساتھ محسوس کر رہی تھی کہ وہ شاید صحیح کہہ رہا تھا۔ اس کی شیطانی آنکھوں کی طرف دیکھتے ہوئے عالیہ کے جسم کی ساری قوت سلب ہوئی جا رہی تھی۔ وہ اپنی تمام قوت صرف کر کے پستول کا ننھا سا ٹریگر بھی دبا نہیں پا رہی تھی‘ اور اس کی ٹانگیں خودبخود گھٹنوں پر سے مڑتی جا رہی تھیں۔ وہ غیرارادی طور پر دھیرے دھیرے گھٹنوں کے بل گرنے والی تھی۔ کھڑے رہنا اس کے بس میں نہیں رہا تھا۔

عامر نے نہایت اطمینان سے خنجر اس کے دل میں گھونپنے کے لئے بلند کیا مگر اسی لمحے ایک دھماکا ہوا۔ گولی اس کی کنپٹی میں پیوست ہوئی اور بڑا سا شگاف بناتی ہوئی دوسری کنپٹی سے نکل گئی۔ صرف ایک گولی...... اس کے بعد گہرا سکوت چھا گیا۔

حیرت عامر کے چہرے پر منجمد ہو کر رہ گئی۔ دوسرے ہی لمحے وہ کٹے ہوئے شہتیر کی طرح گرا اور وہیں ساکت ہوگیا...... عالیہ گویا کسی بھیانک خواب سے چونکی اور ایک جھٹکے سے اس کی کھوئی ہوئی کچھ توانائی جیسے واپس آگئی۔ گولی چلانے والا کون ہو سکتا تھا؟

وہ دوڑی دوڑی ہال میں آئی۔ منیر دروازے کی سیدھ میں‘ لیکن خاصی دور اوندھا پڑا تھا۔ رائفل اس کے بازو تلے دبی ہوئی تھی اور وہ فرش پر گاڑھے گاڑھے خون کی ایک چوڑی پٹی چھوڑتا ہوا اسٹڈی کے دروازے سے وہاں تک پہنچا تھا۔ شاید ایک ایک انچ گھسٹتا ہوا۔

"منیر........ منیر........!" عالیہ نے بلک بلک کر روتے ہوئے اس کا سر گود میں رکھ لیا۔ "پلیز منیر........ تم زندہ رہو گے........ میرے لئے........" اس کے آنسو منیر کے کھردرے اور خون آلود چہرے پر گرے تو اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں اور نحیف سے انداز میں مسکرایا۔ عالیہ کے ڈوبتے دل کو گویا کسی نے تھام لیا۔

"میں ایمبولینس کے لئے فون کرتی ہوں........" عالیہ تیزی سے بولی۔

منیر کے لب ہلے اور سرگوشی سے بھی نیچی آواز برآمد ہوئی۔ "ایمبولینس کے........ انتظار میں........ بہت وقت ضائع ہو گا........ مجھے کسی طرح سہارا........ دے کر........ یا چاہے گھسیٹ کر........ گاڑی تک لے چلو........ اور خود ہسپتال لے چلو........"

عالیہ نے اپنی تمام تر توانائی مجتمع کی اور اسے سہارا دینے کی کوشش کی۔ وہ بھی بقا کی جنگ میں فتح پانے کی پوری پوری کوشش کر رہا تھا۔ کسی نہ کسی طرح عالیہ کے سہارے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی دوران ان کی ملازمہ بھی خوفزدہ انداز میں' بادل نخواستہ قدم اٹھاتی وہاں آن پہنچی اور وہ دونوں سہارا دے کر منیر کو گاڑی تک لے ہی آئیں۔

عالیہ کو خود یاد نہیں تھا کہ اس نے ہسپتال کا سفر کیسے کیا تھا؟ کس طرح وہ ایکسیڈنٹ کئے بغیر ڈرائیونگ کرنے میں کامیاب ہوئی تھی اور کس طرح اس نے منیر کو لے جا کر ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ والوں کو سونپا تھا۔ اس کے تمام تر خیالات' اس کی تمامتر توانائیاں بس ایک ہی نقطے کے گرد مرکوز رہی تھیں۔ منیر کو زندہ رہنا چاہئے........ منیر کو زندہ رہنا چاہئے........"

چھ گھنٹے وہ آپریشن تھیٹر کے سامنے سے ہلی تک نہیں۔ پتھر کے ایک مجسمے کی طرح لکڑی کی غیر آرام دہ بینچ پر ساکت بیٹھی رہی۔ اس کے دل میں بس ایک ہی خاموش سوال کی گردان تھی۔ اے اللہ! میں تیری بارگاہ سے اپنے جیون ساتھی کی زندگی کی بھیک لے کر جاؤں گی۔

اس مجسمے میں اس وقت جان پڑی جب دو ڈاکٹر آپریشن تھیٹر سے تھکے ہوئے چہرے لے کر نکلے اور ان میں سے ایک نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "مبارک ہو عالیہ بی بی! آپ کے شوہر کی حالت خطرے سے باہر ہے........ ان کا بچ جانا کسی معجزے سے کم نہیں"۔

○ --------- ☆ --------- ○